عریضہ میں نے بھی ان کی خدمت میں لکھا۔ اس کا جواب موصول ہوا تو راقم الحروف نے تعجب سے دیکھا کہ والا نامہ تو حضرت ہی کا ہے مگر تحریر کسی دوسرے ہاتھ کی۔ مضمون یہ تھا:

''میری طبیعت کئی دنوں سے علیل ہے، اس لیے دہلی ڈاکٹر وہبی صاحب کے لیکچر کی صدارت کے لیے نہیں جا سکوں گا۔ ڈاکٹر انصاری کا تار بھی آیا تھا...... ڈاکٹر ذاکر صاحب کا خط بھی اسی مطلب کا آیا ہے۔ میں علیحدہ ان کو نہیں لکھ سکا۔ آپ ہی انہیں اطلاع دے دیجئے گا نیز آپ کا لاہور آنے کا ارادہ ہو تو زیادہ اچھا یہی ہے کہ اس وقت تشریف لائیں جب میں اچھا ہو چکوں گا۔'' ۱۳؍فروری ۱۹۳۴ء

بظاہر یہ خط میرے اطمینان کے لیے کافی تھا اور اس کے بعد حضرت علامہ نے بھی اپنی بیماری کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا لیکن آخر اپریل میں جب مجھے کچھ دنوں کے لیے لاہور آنے کا موقع ملا تو میں نے دیکھا کہ حضرت علامہ بدستور علیل ہیں۔ میں ان کی میکلوڈ والی کوٹھی میں حاضر خدمت ہوا تو ان کے زرد چہرے کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ آواز نہایت کمزور تھی، جیسے کوئی سرگوشیاں کرتا ہو۔ اٹھنے بیٹھنے میں ضعف و نقاہت کا اظہار ہوتا تھا۔ میں نے باادب عرض کیا۔ ''ڈاکٹر صاحب کیا ماجرا ہے۔ میں تو سمجھتا تھا آپ بالکل اچھے ہوں گے۔'' فرمایا ''کچھ پتا نہیں چلتا۔ کئی ایک علاج ہوئے لیکن گلے کی تکلیف بدستور قائم ہے۔ ممکن ہے نقرس کا اثر ہو میں نے زیادہ تفصیل سے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ اول کھانسی تھی، پھر گلا بیٹھ گیا۔ اس کیلیے غرغرے تجویز ہوئے، دوائیں لگائیں گئیں مگر بے سود۔ آخر رائے یہ ٹھہری کہ ایکس رے (X-Ray) کرایا جائے۔ ایکس رے ہوا تو پتہ چلا کہ قلب کے اوپر ایک رسولی بن رہی ہے۔ یہ علامات نہایت خطرناک تھی اس لیے کچھ دنوں کے بعد پھر اس عمل کا تکرار ہوا اور اب کے صاف صاف کہہ دیا گیا کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے۔ بہتر ہوگا ڈاکٹر صاحب وصیت کر دیں۔ میں نے ان حالات کو سن کر عرض کیا ''کیوں نہ حکیم نابینا صاحب سے مشورہ کر لیا جائے۔ ۱۹۲۸ء میں جب ڈاکٹر صاحبان کی آخری اور قطعی رائے تھی کہ جراحت کے سوا گردوں کا کوئی علاج نہیں تو یہ انہیں کی معجز نما دواؤں کا اثر تھا کہ آپ کو شفا ہوئی۔ فرمایا: عجب معاملہ ہے مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ اب تم دہلی جاؤ گے تو سب باتیں ان کی خدمت میں کہہ دینا۔ ممکن ہوا تو ایک آدھ دن کیلیے میں بھی چلا آؤں۔ غرض کہ ان حالات میں دہلی واپس آیا اور آتے ہی حکیم نابینا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حکیم صاحب قبلہ بڑی عنایت سے پیش آئے۔ میں نے حضرت علامہ کے مرض کی ساری کیفیت بیان کی تو بہت متردد ہوئے اور پھر دیر تک سوچنے کے

بعد کہنے لگے ۔ نیازی صاحب! گھبرایئے نہیں ۔ بے شک ڈاکٹر صاحب کے اعصاب کمزور ہیں اوران کا قلب بھی ضعیف ہے لیکن مجھے ڈاکٹروں کی رائے سے اتفاق نہیں ۔ آپ انہیں اطمینان دلایئے ۔میں نسخہ تجویز کئے دیتا ہوں انشاء اللہ جلد صحت ہوگی ۔ بس یہ دن تھا جب حکیم نابینا صاحب کا علاج شروع ہوا اور باوجود طرح طرح کے قیمتی مشوروں اور تدابیر کے، جونئی اور پرانی طب کے ماہرین نے کیں، تادم آخر قائم رہا۔حقیقتاً انہیں جس قدر فائدہ ہوا، حکیم صاحب ہی کے علاج سے ہوااور جب ان کی تدابیر ناکام ثابت ہوئیں تو پھر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی ۔

حضرت علامہ نے حکیم صاحب کی دواؤں کے ساتھ مزید احتیاط یہ کی کہ جدید طریقہ ہائے تشخیص سے برابر مدد لیتے رہتے اور پھران کے نتائج سے بلاکم وکاست مجھے اطلاع کرتے رہتے جب میں حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور سب حالات بیان کر دیتا ۔ اس اثنا میں ڈاکٹروں نے کئی نظریے قائم کئے مگر حکیم صاحب اپنے خیال پر جمے رہے۔ان کا ارشاد تھا: ڈاکٹر صاحب کے اعصاب میں برودت ہے قلب ضعیف ہے جگر میں حدت پیدا ہو گئی ہے۔ ان کو ہلکا سا دمہ ہے۔ڈاکٹروں نے بلغم کے انجماد کو غلطی سے رسولی سمجھ لیا ہے۔راقم الحروف کو اگرچہ فنی اعتبار سے رائے زنی کا کوئی حق نہیں پہنچتا لیکن اتنا مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ اگر لفظی اختلافات سے قطع نظر کر لی جائے تو بعد کے امتحانات سے حکیم صاحب ہی کی تشخیص کم وبیش صحیح ثابت ہوئی ۔حضرت علامہ ۲۹ رمئی ۱۹۳۴ء کے عنایت نامے میں لکھتے ہیں :

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ گلے کے نیچے جو آلہ صوت (Larynx) ہے اس کا تار ڈھیلا ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے آواز بیٹھ گئی ہے ۔ چار ماہ تک علاج ہوا، کچھ خاص فائدہ اس سے نہیں ہوا جسم کی کمزوری بڑھ رہی ہے۔ درد گردہ اور نقرس کا حال تو حکیم صاحب کو خود ہی معلوم ہے.....بعض ڈاکٹر یہ کہتے ہیں کہ نقرس کا اثر بھی گلے پر پڑ سکتا ہے۔ واللہ اعلم! پھر فرماتے ہیں:

ڈاکٹروں نے مزید معائنہ کیا ہے اور چھاتی وغیرہ کی ایکس ریز (X-Rays) فوٹو لیے گئے ۔ معلوم ہوا کہ دل کی اوپر کی طرف ایک نئی Growth ہو رہی ہے جس کے دباؤ سے ووکل کارڈ (Vocal Cord) متاثر ہوتی ہے ان کے نزدیک اس بیماری کا علاج الیکٹرک ہے اور بہترین الیکٹرک علاج یورپ میں ہی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس Growth کا اثر پھیپھڑوں پر نہ پڑے ۔اس وقت تک پھیپھڑے دل اور دیگر اعضاء اندرون بالکل صحیح اور تندرست حالات میں ہیں ......لیکن میں اس سے پہلے مغربی اطبا کا امتحان کر چکا ہوں ۔حکیم صاحب سے مشورہ کئے بغیر یورپ نہ جاؤں گا اور یورپ کے علاج پر روپیہ خرچ بھی نہیں ہو

سکتا۔۲؍جون ۱۹۳۴ء

ابھی میں ان باتوں کو حکیم صاحب کے گوش گزار نہ کرنے پایا تھا کہ اگلی ہی صبح کو ان کا دوسرا خط موصول ہوا:

''دو دفعہ ڈاکٹروں نے خون کا معائنہ کیا ہے۔پہلی دفعہ خون باسلیق سے لیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ خون میں زہریلے جراثیم ہیں اور دوسری دفعہ پھر انگلی سے خون لیا گیا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خون کی حالت بالکل نارمل ہے۔''

میں اس اثنا میں حکیم صاحب کے مشورے سے ایک عریضہ لکھ چکا تھا اس کے جواب میں فرمایا:

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔الحمد للہ کہ خیرت ہے۔میرے تمام احباب کو تشویش ہے اور میرے معالجوں کو بھی۔مگر میں خود حکیم صاحب قبلہ پر کامل اعتماد رکھتا ہوں اور موت و حیات کو اللہ کے ہاتھ میں سمجھتا ہوں......ڈاکٹر یہی سمجھتے ہیں کہ فوراً ویانا (آسٹریا) یا لندن جانا چاہیے......ان کے نزدیک اس Growth کی طرف توجہ نہ کی گئی تو زندگی خطرے میں ہے......معلوم نہیں آپ نے حکیم صاحب اور امریکن دوست سے اس Growth کا ذکر کیا یا نہیں کیا۔

کل شام ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر حکیم صاحب کامیاب ہو گئے تو یہ ان کا دوسرا معجزہ ہوگا۔۵؍جون ۱۹۳۴ء

ان اقتباسات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبان کے نزدیک حضرت علامہ کا مرض کس قدر خطرناک تھا۔لہٰذا انہیں بار بار مشورہ دیا جا رہا تھا کہ یورپ یا انگلستان تشریف لے جائیں۔میں نے حکیم صاحب کی طرف سے ایک تسلی آمیز خط لکھا تو جواب آیا:

تشویش صرف اس بات کی تھی کی دل کے اوپر کی طرف جو خالی Area ہوتا ہے وہاں ڈاکٹر ایکس ریز کی تصویر دیکھ کر ایک Growth بتاتے ہیں جس کا بہتر علاج ان کے نزدیک ایکس ریز ایکسپوژر یا ریڈیم ہے جو یورپ میں میسر آئے گا۔آج معلوم ہوا کہ بعد بحث مباحثہ خود ان میں بھی اختلاف رائے ہے۔

......میری تمام صحت اس وقت تک خدا کے فضل سے اچھی ہے۔صرف آواز اونچی نہیں نکل سکتی......میں چاہتا ہوں خود حاضر ہو کر حکیم صاحب کی خدمت میں جملہ حالات عرض کروں۔(یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ خط کا یہ آخری جملہ ترتیب کے لحاظ سے خط میں پانچویں سطر میں ہے جبکہ پہلے دو جملے خط کے تقریباً آخر میں درج ہیں)۔

لہٰذا ۱۱؍جون کو صبح علامہ حکیم صاحب سے مشورے کی خاطر ایک روز کے لیے دہلی تشریف

لائے۔حکیم صاحب نے انہیں دیکھا تو ہر طرح سے اطمینان کا اظہار کیا۔حضرت علامہ بھی نہایت خوش وخرم واپس گئے۔اب کے جو دوا تجویز ہوئی اس کے اثرات کے متعلق فرماتے ہیں:

''آواز میں جیسے کہ پہلے لکھ چکا ہوں فرق آ گیا ہے۔عجب معاملہ ہے جس سے انسانی ضمیر کے اندر جو کچھ گزر رہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ میری بیماری میں محض اس واسطے دلچسپی لے رہے ہیں کہ دیکھیں ڈاکٹروں کو کب شکست ہوتی ہے......اب کی دفعہ کوئی اس سے زیادہ طاقتور دوا ہو تو اور بھی اچھا ہے تاکہ معجزے کا جلد ظہور ہو۔'' ۱۷رجون ۱۹۳۴ء

مختصراً یہ کہ حکیم صاحب قبلہ کا علاج یہاں تک کامیاب ہو رہا تھا۔لیکن صحت کی اس تدریجی ترقی کے ساتھ حضرت علامہ نے پرہیز کا مسئلہ چھیڑ دیا۔اس معاملے میں ان کا مزاج بڑا نازک تھا۔یوں وہ کوئی بہت زیادہ کھانے والے نہیں تھے۔مگر کھانے پینے کی چیزوں میں شاعری تو کر سکتے تھے۔ان کا برسوں سے معمول تھا کہ رات کو صرف دودھ دلیا پر اکتفا کرتے اور جی چاہتا تو کشمیری چائے بھی استعمال کر لیتے۔اس موقع پر حضرت علامہ کے نیاز مند بالائی کی تقسیم پر خوب خوب لڑا کرتے تھے (بنی ہوئی بالائی جو عام طور پر دودھ میں ہوتی ہے) ان کا کھانا نہایت سادہ ہوتا تھا۔یعنی گوشت میں پکی ہوئی سبزی، ناشتہ صرف لسی یا ایک آدھ بسکٹ اور چائے اور وہ بھی روزمرہ نہیں۔خوراک کی مقدار بھی کم تھی اور اس کا اہتمام اس سے بھی کم۔ آخری دنوں میں جب بچوں کی جرمن اتالیق آ گئی تو ان کی تربیت کے خیال سے میز کرسی کا انتظام کیا گیا۔یہ چیزیں موجود تو تھیں مگر اتفاقی ضروریات کے لیے اور حضرت علامہ بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہونے لگے۔مگر پھر دو ہی تین دن میں اپنی عادت سے مجبور ہو جاتے۔فرماتے۔علی بخش میرا کھانا یہیں لے آؤ۔علی بخش پانی اور چلمچی لیے کمرے میں داخل ہوا۔حضرت علامہ لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھے اور وہیں پلنگ پر نشست جمالی۔تولیہ یا رومال زانوؤں پر ڈال لیا۔علی بخش نے کھانے کی کشتی سامنے رکھ دی۔احباب میں سے اگر کوئی صاحب بیٹھے ہیں تو انہوں نے کہا ''آپ بھی آیئے'' کہہ کر کھانا کھانا شروع کر دیا۔ہاں اگر کھانے کے بعد پھل بھی آ گئے تو وہ باصرار ہر شخص کو ان میں شریک کر لیتے۔یہ تھا ان کے کھانا کھانے کا انداز اور ہر چند کہ اس میں تکلف یا اہتمام کو کوئی دخل نہ تھا۔مگر ان کی رائے تھی کہ جو چیز بھی کھائی جائے خوش مذاقی سے کھائی جائے۔اس کا ذائقہ عمدہ ہو، رنگ اور بو خوشگوار ہو۔ترشی اور سرخ مرچ انہیں بہت پسند تھی۔پھلوں میں آم کے تو وہ گویا عاشق تھے۔غذاؤں میں کباب اور بریانی خاص طور سے مرغوب تھی فرمایا کرتے تھے یہ ''اسلامی غذا'' ہے۔گرمیوں میں برف کے استعمال کو ہر

شخص کا جی چاہتا ہے لیکن حکیم صاحب نے گلے کی تکلیف کے خیال سے منع کر رکھا تھا۔ حضرت علامہ بار بار پوچھتے برف کے متعلق کیا رائے ہے؟ ایک دفعہ لکھا مکہ شریف سے ایک شخص صراحی لایا تھا اسی میں پانی ٹھنڈا کر لیتا ہوں۔ مگر جب صحت کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو استفسارات کی بھرمار ہونے لگی......اب مزاج میں بھی لطافت اور شگفتگی آ چکی تھی۔

حکیم صاحب قبلہ ان تحریروں کو سنتے اور سن کر کبھی ہنستے کبھی کوئی فقرہ چست کر دیتے ان کے منہ سے حضرت علامہ کے لیے سینکڑوں دعائیں نکلتیں اور وہ ان خطوں پر اس مزے کی گفتگو کرتے کہ گھنٹہ دو گھنٹے ان کے یہاں خوب صحبت رہتی۔ ان کا قاعدہ تھا کہ حضرت علامہ کی فرمائشوں کا حتی الوسع خیال رکھتے۔ مغزیات اور پھلوں کے استعمال کی انہوں نے خاص طور سے ہدایت کر رکھی تھی۔ یوں بھی ان کی رائے تھی کہ حضرت علامہ کی غذا نہایت زود ہضم اور مقوی ہونی چاہیے مگر معلوم ہوتا ہے حضرت علامہ کبھی کبھی بد پرہیزی بھی کر لیتے۔ ۲۴ر جون کے گرامی نامے میں لکھتے ہیں:

...... پہلے ہفتے سے ترقی جو آواز میں ہوئی تھی کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ ترقی معکوس میں ہوئی ان کے وجوہ جہاں تک سوچ سکتا ہوں تین ہو سکتے ہیں:۔

(۱) میں نے دہی کھا لیا اور لسی بھی پی۔

(۲) فالودہ پیا (برف ڈال کر)

(۳) آپ نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ دوا کی مقدار دگنی کر دی گئی ہے۔

ایک دوسرا خط ہے:

"حکیم صاحب قبلہ سے ہر چیز کے متعلق فرداً فرداً دریافت کر کے مجھے مطلع کیجئے......

چائے، سبزی، ترکاری، پھل پھول، گوشت اور پینے کی چیزیں وغیرہ علیٰ ہذا القیاس چاول و خشک پلاؤ، شہد وغیرہ۔ ۲۷ر جون ۱۹۳۴ء

تقریباً یہی انداز طبیعت ان کا دواؤں کے متعلق تھا۔ دوا جو بھی ہو لطیف ہو، خوش ذائقہ ہو، خوش رنگ ہو، بو ایسی کہ ناگوار نہ گزرے، خوراک کم اور موثر لیکن چونکہ حکیم نابینا صاحب کی دوائیں اس معیار پر پوری اُترتی تھیں۔ اس لیے ان سے زیادہ تر اختلاف کھانے پینے کی چیزوں میں ہوتا۔ وہ کہتے ڈاکٹر صاحب کے لیے مغز عصفور یا مغز خرگوش بہت مفید رہے گا۔ حضرت علامہ فرماتے مغز اور اس کا استعمال؟ معاذ اللہ! یہ کیسے ممکن ہے؟ مجھے تو اس کے دیکھنے ہی سے کراہیت محسوس ہوتی ہے۔ میں گوشت تو کھا لیتا ہوں مگر دل، گردہ، کلیجی وغیرہ کبھی نہیں

کھائی۔ حکیم صاحب تدبیریں سوچتے۔ اگر مغز کو شوربے یا چاول میں ملا دیا جائے تو ڈاکٹر صاحب کو پتہ نہیں چلے گا میں علی بخش کو الگ خط لکھتا مگر علی بخش کی تربیت ہی اسی طرح ہوئی تھی کہ وہ کوئی کام حضرت علامہ کے خلاف منشا نہ کر سکتا۔ وہ فوراً کہہ دیتا: نیازی صاحب نے اس طرح کا کوئی خط بھجوایا ہے۔ حضرت علامہ ان باتوں کو سنتے اور سنتے ہی مجھے لکھ دیتے کہ اگر مغز کا استعمال ایسا ہی ضروری ہے تو کیوں نہ اس کا جوہر تیار کر لیا جائے!

غرض کہ ایک مہینے کے اندر حکیم صاحب کی دواؤں سے اس قدر فائدہ ہوا کہ حضرت علامہ شدید گرمیوں کے باوجود سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ اب کے قصد سرہند کا تھا۔

رفتہ رفتہ حضرت علامہ کی صحت اس قدر اچھی ہونے لگی کہ ڈاکٹروں کو بھی اپنی رائے بدلنی پڑی۔ ۵ جولائی ۱۹۳۴ء کا خط ہے:

''ڈاکٹر یار محمد خان کل کہتے تھے کہ Fresh Growth یا ٹیومر کی تھیوری غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ آپ کی صحت دیگر حالات سے مطابق نہیں...... انگریزی ڈاکٹر اب یہ کہتے ہیں کہ اگر ٹیومر ہوتا تو عام صحت اس قدر جلد ترقی نہ کر سکتی۔ بلکہ روز بروز بدتر ہوتی جاتی۔''

''یہ بات اب یقینی ہو گئی ہے کہ ٹیومر یا گروتھ نہیں صرف شاہرگ کا پھیلاؤ ہے...... یہ شاہرگ کا پھیلاؤ یا تو خون کی بعض بیماریوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یا بعض پہلوانوں اور گویوں کو بھی ہو جاتی ہے۔ نفس کے زیادہ استعمال کی وجہ سے۔''

گویا قدیم اور جدید کے درمیان جو تصادم مہینوں سے جاری تھا۔ اس کا خاتمہ بالآخر قدیم ہی کی فتح پر ہوا۔ حکیم نابینا صاحب کے اس اعجاز کا شہر بھر میں چرچا تھا۔ اس اثنا میں حضرت علامہ خود بھی اظہار تشکر کے لیے دہلی تشریف لائے۔ ان کی بیماری کو اب کم و بیش چھ مہینے گزر چکے تھے۔ شروع کے چار مہینوں میں ایلوپیتھک علاج ہوتا رہا۔ حکیم صاحب کی تدابیر کا نتیجہ یہ تھا کہ:

اگر میری آواز اصلی حالت پر عود کر آئی تو میں اس بیماری کو خدا کی رحمت تصور کروں گا کیونکہ اس بیماری نے حکیم صاحب سے وہ ادویہ استعمال کرنے کا موقع پیدا کیا جنہوں نے میری صحت پر ایسا نمایاں اثر کیا ہے تمام عمر میں میری صحت ایسی اچھی نہ تھی جیسی اب ہے۔ ۲۳ جولائی ۱۹۳۴ء

لیکن حکیم صاحب کی اس معجز نما کامیابی کے باوجود آواز کا مسئلہ جوں کا توں قائم رہا۔ اب حضرت علامہ نے گھبرا کر دواؤں کے متعلق رائے زنی شروع کر دی۔ یہ دوا ٹھیک نہیں۔ اس دوا سے فائدہ زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ نئی گولیاں کس شکایت کے لیے ہیں۔ انہیں گھلا کر استعمال کروں؟ گھلا کر استعمال کرنا تو مشکل ہے۔ فلاں دوا کی مقدار نہ بڑھا دی جائے۔

اس کی کیا وجہ ہے کہ دوسرے ہفتے آواز پر کوئی اثر نہیں ہوا؟

چنانچہ اب ان کے والا ناموں میں اس قسم کے اشارات ہونے لگے:

''بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ گلے کے دونوں اطراف جونک لگوانی چاہیے۔'' ۲۳ر جون ۱۹۳۴ء

''میرے ایک مہربان...... کہتے ہیں کہ کشمیر میں گلقند بشرطیکہ پرانی ہو تقویت کے لیے اکسیر ہے۔''

۲ر جولائی ۱۹۳۴ء

''جراحوں کا ایک پرانا خاندان لاہور میں ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس ایک لیپ ہے۔'' ۱۲ جولائی ۱۹۳۴ء

''ایک شخص نے مشک کے استعمال کا مشورہ دیا ہے۔'' ۱۲ اگست ۱۹۳۴ء

''عراق میں اسے ایک ترک طبیب نے تمباکو میں چرس رکھ کر پلائی تھی اور اس کے ساتھ لپٹن چائے، جس میں شکر کی جگہ گڑ ڈالا جائے اور صرف تین چار روز کے عرصے میں اس کی آواز صاف ہو گئی۔''

حکیم صاحب قبلہ ان تجاویز کو سنتے اور سن کر پریشان ہو جاتے مگر حضرت علامہ کے پاس خاطر سے کبھی آواز کشا گولیاں اور کبھی کوئی لیپ روانہ کر دیتے جن سے شاید فی الحقیقت دفع الوقتی مقصود ہوتی۔ یوں وہ اپنی دواؤں میں اس بات کا ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے کہ آواز کی ترقی ہو لیکن حضرت علامہ تعجیل کے خواہاں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس قدر جلدی ممکن ہو انگلستان تشریف لے جائیں اور روڈز لیکچرز کے سلسلے میں فلسفہ اسلامی کے تصورات مکان وزماں کی تشریح کر سکیں۔

ان دنوں حضرت علامہ نے صرف دو شکایتیں اور محسوس کیں۔ اول یہ کہ وسط اگست میں ان کا سر دفعتاً چکرایا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا مگر یہ شکایت کچھ دنوں کے بعد خود بخود دور ہو گئی۔ ممکن ہے یہ اولین علامت ہو موتیا بند کی، جس نے تین سال کے بعد ۱۹۳۷ء میں باقاعدہ ظہور کیا۔ ثانیاً یہ کہ ان کے دونوں شانوں کے درمیان کبھی کبھی ہلکا سا درد ہونے لگتا۔ یہ تکلیف اگرچہ روغن اوجاع کی مالش سے جاتی رہی لیکن سال چھ مہینے کے بعد اس کا دورہ ضرور ہوتا۔

بہر کیف ۳۰ر جنوری کی صبح کو حضرت علامہ دہلی تشریف لائے اور خالدہ ادیب خانم کے ایک خطبے کی صدارت کے بعد بھوپال روانہ ہو گئے۔ انہوں نے باتوں باتوں میں خاتون موصوفہ کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ کچھ نہ سمجھیں جیسا کہ ان کے خطبات اور بعد کی تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے۔

بھوپال میں حضرت علامہ کا قیام شروع مارچ تک رہا۔ وہ اس عمدگی ہوا اور حسن مناظر کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے اور اپنے معالجین اور میزبانوں کے خلوص و توجہ کے دل سے شکر گزار تھے۔ ۵/فروری کے عنایت نامے میں لکھتے ہیں:

''موسم نہایت عمدہ ہے...... طبی معائنہ سے جو نہایت مکمل تھا حکیم صاحب کی بہت سی باتوں کی تائید ہوئی بہر حال آج گیارہ بجے سے Ultra Violet Rays کا غسل شروع ہوگا۔''

اس دوران میں حکیم صاحب کی دوائیں بند کردی گئیں تاکہ نئے علاج میں حارج نہ ہوں۔ اس طرح جو اثرات ان کی صحت پر مرتب ہوئے ان کا مفاد یہ تھا: ''بجلی کا علاج ابھی صرف چار دفعہ ہوا۔ کچھ خفیف سا فرق آواز میں ہے مگر زیادہ وضاحت سے آٹھ دس دفعہ کے علاج کے بعد معلوم ہوگا...... نبض کی حالت اور علیٰ ہذا القیاس دل اور پھیپھڑوں کی حالت بہت عمدہ ہے۔

۸/مارچ کی صبح کو حضرت علامہ بھوپال سے دہلی تشریف لائے۔ حکیم صاحب کو نبض دکھلائی اور دو روز ہز ایکسی لینسی سردار صلاح الدین سلجوقی قونصل جنرل دولت مستقلہ افغانستان کے اصرار پر قیام فرما کر ۱۲/ کی صبح کو لاہور پہنچ گئے۔ اب حضرت علامہ کا معمول یہ تھا کہ اصل علاج تو حکیم صاحب ہی کا رہا، ہاں بیچ میں کوئی ہنگامی شکایت پیدا ہوگئی تو مقامی اطبا یا ڈاکٹروں سے رجوع کرلیا۔ ان کا خیال تھا کہ آواز کی اصلاح گو دیر میں ہوگی لیکن بہت ممکن ہے طبی علاج کے ساتھ بجلی کا علاج اور بھی کارگر ہو لیکن افسوس ہے کہ اس زمانے میں والدہ جاوید سلمہ کی حالت دفعتاً خراب ہوگئی آخر اپریل میں مجھے لاہور آنے کا اتفاق ہوا تو میں نے انہیں بہت متردد پایا۔ ویسے ان کی اپنی صحت بہت اچھی تھی اور آمد شعر کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ از راہ شفقت اپنے اکثر اشعار سناتے رہے۔ کہنے لگے اگر کتاب مکمل ہوگئی تو اس کا نام صور اسرافیل ہوگا (یہ وہی مجموعہ ہے جو بعد میں ''ضرب کلیم'' کے نام سے شائع ہوا) ان دنوں انہیں سب سے زیادہ فکر گھر کی علالت کی تھی۔ میں دہلی واپس آیا تو ان کے والا ناموں میں زیادہ تر اسی کا ذکر ہوتا۔ آخر ۲۴/مئی کے مکتوب میں یہ افسوسناک خبر سنی:

''کل شام چھ بجے والدہ جاوید اس جہان سے رخصت ہوگئیں۔ ان کے آلام و مصائب کا خاتمہ ہوا اور میرے اطمینان قلب کا، اللہ فضل کرے۔''

ع۔ ہرچہ از دوست مے رسد نیکوست

بھوپال سے واپسی کے بعد حضرت علامہ کی صحت ایک خاص نقطے پر آکر رک گئی۔ ہنگامی تکلیف کا تو انہیں زیادہ خیال نہیں تھا۔ کبھی کبھی ڈاکٹر جمعیت سنگھ صاحب تشریف لے آتے اور

ان کے دل اور پھیپھڑوں کے معائینے سے اپنا اطمینان کر جاتے۔ لیکن بجلی کے علاج اور حکیم صاحب کی دواؤں کے باوجود مرض کا استیصال نہ ہوا۔ اس طرح صحت اور بیماری کے درمیان جو کشمکش مدت سے رونما تھی، اس کا نتیجہ کبھی کبھی ایک خراب ردعمل کی صورت میں ظاہر ہونے لگتا۔ بھوپال سے واپس آ کر انہیں ایک حد تک کمزوری کا احساس ہو رہا تھا۔ لہٰذا انہوں نے پھر حکیم صاحب سے فرمائش کی:

''دوا میں تین چیزوں کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) بلغم کا استیصال کرے۔

(۲) قوت جسمانی میں ترقی ہو۔

(۳) آواز

اگر صرف قوت جسمانی کے لیے کوئی جوہر حکیم صاحب تیار کریں تو شاید باقی دونوں کے لیے بھی مفید ہوگا''

۲۷ر ستمبر ۱۹۳۶ء

۱۵ر اکتوبر کے کرم نامے میں لکھتے ہیں:

''ویانا جانے کا خیال ہے۔ ڈاکٹر انصاری سے خط و کتابت کر رہا ہوں۔ انہوں نے نہایت مہربانی سے مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر گیا تو فروری یا اپریل میں جاؤں گا۔

یوں حضرت علامہ کی علالت کو کم و بیش چار سال گزر گئے۔ پانچویں برس یعنی ۱۹۳۸ء کا آغاز ہوا تو ان کی طبیعت نے یک بیک پلٹا کھایا۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ۱۹۳۶ء کے بعد حضرت علامہ پھر کبھی بھوپال نہیں گئے۔ البتہ ۱۹۳۷ء میں دو ایک روز کے لیے دہلی ضرور تشریف لے گئے تاکہ حکیم صاحب کو نبض دکھا سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مرض کے ازالے کا کچھ بہت زیادہ موثر طریق نہ تھا۔ معلوم نہیں ان کے آخری عوارض کی ابتدا کب ہوئی لیکن جہاں تک میں اپنی قوت مشاہدہ پر اعتماد کر سکتا ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ ان کی صحت آخر ۱۹۳۷ء سے ہی سے گرنا شروع ہو گئی تھی۔ میں اس زمانے میں حضرت علامہ کو دیکھ کر اکثر گھبرا جاتا۔ بسا اوقات وہ اس قدر لاغر اور نحیف معلوم ہوتے جیسے ان کے بدن میں خون ہی نہیں۔ بایں ہمہ ان سے جو کوئی بھی خیریت مزاج دریافت کرتا، فرماتے ''الحمد للہ' بہت اچھا ہوں۔'' اس زمانے میں حکیم محمد حسن صاحب قرشی نے ان کے لیے چند مرکبات تجویز کر رکھے تھے جن سے فائدہ ہوا لیکن ۱۹۳۸ء کا آغاز اور 'یوم اقبال'' کی تقریب خیر و خوبی سے گزر گئی تو انہیں

دفعتاً ضیق النفس کے خفیف سے دورے ہونے لگے۔ ایک روز انہوں نے شکایت کی کہ پچھلی رات کا اکثر حصہ بےخواب گزرتا ہے۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے گردے کے مقام پر درد ہے۔ دو ایک دن نقرس کی تکلیف بھی رہی مگر اس کے بعد بتدریج افاقہ ہوتا گیا۔ رہی نیند کی کمی سو خیال تھا کہ شاید تبدیلی وقت کی وجہ سے ایسا ہو۔ کیونکہ حضرت علامہ دن کا اکثر حصہ سو لیا کرتے تھے اور بےخوابی کے باوجود تھکن یا بےچینی محسوس نہ کرتے۔ ضیق النفس کے لیے قرشی صاحب نے اک ہلکا سا جوشاندہ تجویز کر رکھا تھا جس کے استعمال سے فوراً سکون ہو جاتا۔ ان کی رائے تھی کہ حضرت علامہ کو دمہ قلبی (Cardiac Asthma) ہے ضعف قلب کے باعث اور ڈاکٹروں نے اس کی تائید کی۔ اس تکلیف میں حضرت علامہ اکثر بیٹھے بیٹھے سامنے کی طرف جھک جاتے اور بسا اوقات پائینتی پر تکیہ رکھے اپنا سر اس پر ٹیک دیتے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان ایام میں انہوں نے دفعتاً مایوسی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ علی بخش سے اکثر کہا کرتے تھے: ''۱۹۳۸ء خیریت سے گزر جائے تو سمجھنا کہ اچھا ہوں''۔ ۲۲ر فروری کی شام کو مجھ سے شوپن ہاور کے متعلق گفتگو کرتے کرتے بیک کہنے لگے: ''نیازی صاحب اس فلسفہ میں کیا رکھا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔'' میں سمجھا ان کا اشارہ ہے عقل کی بےمائگی کی طرف۔ کہنے لگے ''علم کی مسرت کوئی مسرت نہیں۔ مسرت یہ ہے کہ انسان کو صحت ہو تندرستی ہو۔'' اس کے تین روز بعد یعنی ۲۵ر فروری کی شام کو انہوں نے ضیق کو روکنے کے لیے حسب معمول جوشاندہ پیا مگر دورے کی شدت میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اگلے روز ایلوپیتھک علاج شروع کیا گیا۔ اس میں کچھ دوائیں غالباً دورے کو روکنے اور کچھ نیند کے لیے تھیں۔ اس طرح چند روز آرام سے گزر گئے مگر پھر ۳ر مارچ کو آخر شب میں ان پر ضعف قلب کے باعث غشی طاری ہو گئی اور وہ اسی حالت میں پلنگ سے نیچے گر گئے۔ قرشی صاحب کا قاعدہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد حضرت علامہ کی خیریت معلوم کرنے اکثر جاوید منزل تشریف لے جاتے۔ اس روز بھی حسن اتفاق سے ایسا ہی ہوا۔ قرشی صاحب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علامہ دم کشی کے باعث تکلیف میں ہیں انہوں نے جہاں تک ممکن تھا اس وقت مناسب تدابیر کیں اور پھر سیدھے میرے ہاں چلے آئے ان کی اس غیر متوقع تشریف آوری پر مجھے ایک گونہ تعجب ہوا لیکن میں ابھی دریافت حالات نہ کرنے پایا تھا کہ انہوں نے خود ہی صبح کے پرخطر واقعہ کا ذکر کر دیا۔ کہنے لگے ''دل نہایت ضعیف ہے۔ جگر اور گردے ماؤف ہو رہے ہیں۔ مگر اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے، مناسب تدابیر اور احتیاط سے افاقہ ہو جائے گا۔'' میں کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا کہ انہوں نے کہا۔ ''آپ فوراً جاوید منزل چلے

جائیے اور حضرت علامہ کی حالت سے مجھے اطلاع دیجئے۔ میں دوائیں بھجواتا ہوں۔"

یہ گویا آغاز تھا حضرت علامہ کے مرض الموت کا لیکن اس وقت بھی ان کے استقلال اور دل جمعی کی یہ کیفیت تھی کہ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو حسب معمول نہایت اطمینان سے باتیں کرنے لگے۔" آج کیا خبر ہے؟ لڑائی ہوئی ہے یا نہیں؟ آسٹریا کا کیا حال ہے؟" دو تین گھنٹے کی نشست کے بعد جب میں نے یہ دریافت کیا کہ قرشی صاحب سے کیا عرض کر دیا جائے تو مسکرا کر فرمایا۔" میری طبیعت اچھی ہے اس قدر اچھی کہ اگر موضوع پر تقریر کرنا پڑے تو اس کا سلسلہ تین گھنٹے تک جاری رکھ سکتا ہوں۔" حضرت علامہ نے یہ الفاظ اس لیے فرمائے کہ انہیں زیادہ گفتگو سے منع کر دیا گیا تھا۔ طبی اصطلاح میں ان کی نبض اگرچہ "نملی" تھی یعنی چیونٹی کی طرح نہایت ضعیف لیکن ان کا ذہن برابر صفائی سے کام کرتا رہا۔ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی قلب و دماغ عطا کئے تھے۔ ان کے معالج اگرچہ ابتدا میں گھبرا جاتے۔ لیکن ان کی قوت دماغی سے چند ہی روز کے بعد امید بندھ جاتی کہ ابھی صحت کے امکانات باقی ہیں۔ یوں حضرت علامہ کے اس نظریے کی تائید ہو جاتی تھی کہ ہر شخص کی طب انفرادی ہے اور دوران علاج میں مزاج کا خیال رکھنا از بسکہ ضروری۔

حضرت علامہ کے تیمارداروں کے لیے یہ دن بڑے اضطراب کا تھا۔ بالخصوص اس لیے کہ شام کو انہیں ذرا ذرا سی دیر کے بعد ضعف قلب کا دورہ ہونے لگتا ظاہر ہے کہ اس تشویش انگیز حالت میں خطوں پر اکتفا کرنا ناممکن تھا اور اگرچہ حکیم صاحب کی خدمت میں مفصل اطلاع کر دی گئی مگر اب عملاً علاج قرشی صاحب ہی کا تھا۔ یوں بھی حضرت علامہ انہیں اکثر مشورے کیلئے طلب فرما لیے کرتے تھے اور پچھلے برس سے تو ان کا معمول ہو گیا تھا کہ ہر دوسرے تیسرے روز جاوید منزل تشریف لے جاتے......حضرت علامہ کو ان کی ذات پر بے حد اعتماد تھا اور وہ ان کی لیاقت و صداقت سے متاثر ہو کر اکثر فرمایا کرتے تھے: "شمالی ہند میں اب ان کے سوا اور کون ہے؟ اگر ان کا وجود ایک چھوٹے سے ادارے کی شکل اختیار کر لے تو ہندوستان میں نہ سہی کم از کم پنجاب میں ہماری طب کو بہت کافی فروغ ہو سکتا ہے"۔ قرشی صاحب نے بھی جس خلوص اور دلسوزی سے حضرت علامہ کی خبر گیری کی ہے اس کے متعلق اتنا عرض کر دینا کافی ہو گا کہ ان کا تعلق محض طبیب اور مریض کا نہیں بلکہ ایک عقیدت مند اور خدمت گذار دوست کا تھا۔ وہ ان ایام میں حضرت علامہ کی بیماری کے سوا سب کچھ بھول گئے۔ کتنے مرکبات تھے جو انہوں نے محض حضرت علامہ کے لیے اپنے زیر نگرانی تیار کئے وہ صبح و شام ان کی خدمت میں

حاضر ہوتے اور گھنٹوں ان کے پاس بیٹھ کر کبھی دوا کھلاتے کبھی مزے مزے کی باتوں سے ان کا جی بہلاتے۔ اکثر وہ ان کی ہتھیلیاں سہلانے لگتے اور پھر چپکے چپکے ان کے چہرے اور پاؤں کا معائنہ کر لیتے۔ یہ اس لیے کہ ان کو ابتدا ہی سے خیال ہو چلا تھا کہ حضرت علامہ کا رجحان استسقا کی طرف ہے۔ خود حضرت علامہ کی یہ کیفیت تھی کہ ادھر قرشی صاحب نے جاوید منزل میں قدم رکھا اور ادھر ان کی تمام شکایات دور ہو گئیں۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے "میرا سب سے بڑا علاج یہی ہے کہ حکیم صاحب پاس بیٹھے رہیں۔"

لہٰذا قرشی صاحب کی محنت اور توجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں یہ حالت ہو گئی کہ حضرت علامہ کو لحظہ بہ لحظہ افاقہ ہونے لگا اور بعض دفعہ وہ اپنی خواب گاہ میں چل پھر بھی لیتے۔ اس اثنا میں حکیم نابینا صاحب کی دوائیں آ گئی تھیں اور پھر کچھ دنوں کے بعد ڈاکٹر مظفر الدین صاحب بھی ان سے ضروری ہدایات لیتے آئے کیونکہ حکیم نابینا صاحب اس وقت حیدرآباد تشریف لے جا چکے تھے۔ اس طرح اطمینان کی ایک اور صورت پیدا ہو گئی مگر ان کے بعض نیاز مندوں کا خیال تھا کہ اگر قرشی صاحب کے علاج میں ڈاکٹری مشورہ بھی شامل کر لیا جائے تو کیا حرج ہے۔ ممکن ہے ایسا کرنا مفید ہی ثابت ہو۔ یہ سوچ کر ڈاکٹر محمد یوسف صاحب سے رجوع کیا گیا اور انہوں نے پورے خلوص اور توجہ سے اس امر کی کوشش کی کہ تخفیف مرض کی کوئی صورت نکل آئے۔ کچھ دنوں کے بعد ڈاکٹر کپتان الٰہی بخش صاحب سے بھی مشورہ ہوا۔ مگر حضرت علامہ کی اپنی طبیعت کا یہ عالم تھا کہ ایلو پیتھک دواؤں سے بار بار گھبراتے اور ایک خاص میعاد مقرر کرنے کے بعد ان کا استعمال چھوڑ دیتے۔

یہاں پہنچ کر قدرتاً یہ سوال پیدا ہو گا کہ حضرت علامہ کا مرض فی الحقیقت کیا تھا۔ قرشی صاحب کہتے ہیں کہ انہیں عظم و اتساع قلب کی شکایت تھی یعنی دل کے مناسب عمل میں نقص واقع ہو گیا تھا جس سے ان کے عضلی ریشے بڑے ہو کر لٹک گئے تھے۔ اس طرح ان کے دل کی عضلی دیواریں دبیز اور ڈھیلی ہو گئیں اور ان کے جوف پھیل گئے ان کی رائے میں سانس کی تکلیف دمہ قلبی کی وجہ سے تھی۔ بالفاظ دیگر چونکہ دل کا عمل پورا نہ ہوتا تھا اس لیے تکلیف رونما ہو جاتی۔ قرشی صاحب کی رائے تھی کہ "حضرت علامہ کی کھانسی، بول زلالی، نبض کا ضعیف، سریع اور غیر منظم ہونا یہ سب اتساع قلب کے علامات ہیں۔ مزید برآں ان کا جگر بھی بڑھا ہوا تھا اور اگرچہ اتساع قلب میں بھی دوران خون کے اختلال کے باعث جگر بڑھ جاتا ہے مگر حضرت علامہ کا جگر پہلے سے ماؤف تھا۔

اتنا تو مجھے بھی یاد ہے کہ حکیم نابینا صاحب حضرت علامہ کے جگر کی اصلاح کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔قرشی صاحب کے نزدیک حضرت علامہ کے گردے بھی متاثر تھے اور ان کو شروع ہی سے خیال ہو گیا تھا کہ استقا کا خدشہ ہے۔

اس کے مقابلے میں ایک دوسری تشخیص یہ تھی کہ حضرت علامہ کو انورزم اورطی (aneurysm Aorta) یعنی شہ رگ کی رسولی ہے۔ یہ اس لیے کہ جب ان کا دل کمزور ہو گیا تو خون کے مسلسل دباؤ نے شہ رگ میں جو ربڑ کے غبارے کی مانند پھیل گئی تھی۔ایک گڑھا سا پیدا کر دیا جس نے رفتہ رفتہ ایک دموی رسولی کی شکل اختیار کر لی ۔یہی سبب وقت نفس کا تھا کیونکہ قصبۃ الریہ (ہوا کی نالی) پر اس رسولی کا دباؤ پڑتا تھا۔اس طرح حضرت علامہ کو مسلسل کھانسی ہوتی رہتی اور انورزم کے باعث چونکہ آواز کے ڈورے کھل گئے تھے لہٰذا ان کا گلا بیٹھ گیا۔

حضرت علامہ کے عوارض کی ان دو تشخیصوں کے متعلق جن کی تفصیل کیلیے میں قرشی صاحب کا ممنون احسان ہوں، اگر چہ راقم الحروف کا کچھ کہنا بے سود ہو گا لیکن اتنا ضرور عرض کرنا پڑتا ہے کہ زیادہ تر اتفاق رائے غالباً پہلی تشخیص پر ہی تھا۔۲۱ مارچ کو جب محمد اسد صاحب مترجم بخاری حضرت علامہ کی عیادت کے لیے آئے ہیں اور ان کے ساتھ ڈاکٹر زیلتسر (Selzer) بھی تھے تو ان کا (ڈاکٹر زیلتسر کا) بھی یہی خیال تھا کہ حضرت علامہ کو اتساع قلب کا عارضہ ہے اور گلے کی تکلیف مقامی فالج کا نتیجہ۔بہر کیف قرشی صاحب کی رائے تھی کہ حضرت علامہ کو لطیف مقویات اور مفرّیات کا زیادہ استعمال کرنا چاہیے اور ان کے لیے مشک عنبر اور مروارید بہت مفید رہیں گے۔ان دواؤں کا فی الواقع یہ اثر بھی ہوا کہ حضرت علامہ اگر کبھی تبدیلی علاج بھی کرتے تو ان کا استعمال برابر جاری رکھتے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ وہ اپنے ذاتی خیالات اور تجربات کی بنا پر طب قدیم کی خوبیوں کے قائل ہو چکے تھے۔جدید نظریوں پر انہیں سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ان میں انسان کی حیثیت محض ایک شے کی رہ جاتی ہے اور اس کے نفسیاتی پہلوؤں کا کوئی خیال نہیں کرتا۔اول تو ان کی رائے یہ تھی کہ طب کا علم ممکن ہی نہیں اس لیے کہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم زندگی کی کنہ سے باخبر ہیں جو بداہتاً ایک غلط سی بات ہے۔وہ کہتے تھے کہ اگر ایک حد تک طب ممکن بھی ہے تو ہر شخص کی طب دوسرے سے جداگانہ ہو گی کیونکہ ہر انا (Ego) بجائے خود یکتا اور منفرد ہے۔چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا کہ اس نقطۂ نظر کے ماتحت اٹلی میں ایک جدید طب کی تشکیل ہو رہی ہے۔وہ کہا کرتے تھے علم طب نے کیا ترقی کی ہے؟

حالانکہ نوع انسانی کو اس کی ضرورت بدو شعور ہی سے محسوس ہو رہی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ علم ہوتا یا پھر اس کی ابتدا اس وقت ہو گی جب تمام علوم و فنون کا ارتقا مکمل ہو جائے۔ لیکن جہاں تک عملی مجبوریوں کا تعلق ہے ان کے لیے دواؤں کا استعمال ناگزیر تھا۔ مگر وہ ایلوپیتھک دواؤں سے بہت ناراض تھے اس لیے کہ ان میں نہ ذائقے کا خیال رکھا جاتا ہے نہ پسند کا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خدمت خلق کی بجائے تجارت کا ذریعہ بن گئی ہیں۔ ان کے مقابلے میں طبی دوائیں ہیں۔ کس قدر لطیف اور خوش مزہ! ان سے مسلمانوں کے ذوق جمال اور نفاست مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ جب وہ قرشی صاحب کے تیار کردہ خمیرہ گاؤزبان عنبری یا دواء المسک کو مزے لے لے کر چاٹتے تو اس امر پر اظہار افسوس ظاہر کرتے کہ ان کی خوراک کس قدر کم ہے۔ نہ چھ نہ سات فقط تین ماشے پھر ان کا ذاتی تجربہ بھی یہ تھا کہ درد گردہ کی شکایت جو انہیں مدت سے تھی۔ حکیم نابینا صاحب ہی کے علاج سے دور ہوئی اور ۱۹۳۴ء میں جب ڈاکٹروں نے بار بار ان کی صحت سے مایوسی کا اظہار کیا تو یہ حکیم صاحب ہی کی دوائیں تھیں جن سے امید کی ایک جھلک پیدا ہوئی اور وہ کم و بیش چار برس تک اپنے مشاغل کو جاری رکھ سکے۔ دوران علاج میں حضرت علامہ نے بارہا اس امر کا مشاہدہ کیا جدید آلات سے بالآخر انکشافات نبض ہی کی تصدیق ہوتی۔ لہٰذا یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی کہ ان کا اعتماد قدیم دواؤں پر دن بدن بڑھتا گیا۔ وہ کہا کرتے تھے ہماری دواؤں کے اثرات صدیوں کے تجربے سے ثابت ہو رہے ہیں۔ آج کل کی دواؤں کا کیا ہے، ادھر ایجاد ہوئیں ادھر متروک۔

۱۷ مارچ کے بعد جب سے طبی علاج از سر نو شروع ہوا حضرت علامہ کی صحت میں خفیف سا مد و جزر پیدا ہوتا رہا۔ اس خیال سے کہ اگر ان حالات کی اطلاع عام ہو گئی تو شاید لوگوں کی عقیدت مندی ان کے آرام میں حارج ہو حضرت علامہ کی خرابی صحت کی خبر مخفی رکھی گئی۔ ان دنوں معمول یہ تھا کہ حضرت علامہ کے متعدد احباب کے علاوہ ہم لوگ یعنی چودھری محمد حسین، راجا حسن اختر قرشی صاحب اور راقم الحروف صبح و شام حضرت علامہ کی خیریت معلوم کر آتے اور پھر رات کو باقاعدہ ان کی خدمت میں جمع ہو جاتے یا پھر محمد شفیع صاحب جاوید منزل ہی میں اٹھ کر آئے تھے تاکہ حضرت علامہ کی دیکھ بھال اور دواؤں کا خیال رکھیں۔ خدمت گزاری کے لیے علی بخش اور دوسرے نیاز مند موجود تھے۔ علی بخش بے چارا تو کئی راتیں سویا ہی نہیں۔ حضرت علامہ کو دن میں تو نسبتاً آرام رہتا تھا اور وہ کچھ وقت سو بھی لیتے تھے لیکن رات کو ان کی تکلیف بڑھ جاتی۔ کبھی اختلاج ہوتا۔ کبھی ضعف، کبھی احساس ریاح۔ ضیق کے دورے بالعموم پچھلے پہر

میں ہوتے تھے اور شفیع صاحب کو اس کی روک تھام کے لیے خاص طور سے جاگ جاگ کر دوائیں کھلانا پڑتیں۔ علی بخش، رحما، دیوان علی (حضرت علامہ کے ملازمین) اور احباب ان کا بدن دباتے۔ جب رات زیادہ ہو جاتی تو چودھری صاحب اور راجا صاحب ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیتے تاکہ حضرت علامہ سو جائیں۔ اس وقت قرشی صاحب اور بھی زیادہ قریب ہو بیٹھتے اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت علامہ دیوان علی سے بلھے شاہ کی کافیاں یا پنجابی گیت سنتے اور مجھ سے فرماتے کہ ''میں بغداد یا قرطبہ کا کوئی ایسا افسانہ بیان کروں جس سے ان کو نیند آ جائے۔'' اس طرح کچھ دنوں کے بعد حضرت علامہ کی طبیعت یہاں تک سنبھل گئی کہ راجا صاحب سے (سرکاری مشاغل کی مجبوریوں کے باعث) ناغے ہونے لگے اور قرشی صاحب سے دوا اور غذا کے متعلق چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ حضرت علامہ ان سے ہر دوسرے تیسرے روز اس امر کی خواہش کرتے کہ ان کی غذا کی فہرست میں اضافہ ہوتا کہ انتخاب میں سہولت رہے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے: ''پلاؤ کھانے کو بہت جی چاہتا ہے۔'' قرشی صاحب نے کہا آپ کھچڑی کھا لیجیے۔'' فرمایا: ''بھنی ہوئی؟ کافی گھی کے ساتھ؟'' انہوں نے کہا ''نہیں، گھی کم ہونا چاہیے کیونکہ آپ کا جگر بڑھ گیا ہے۔'' حضرت علامہ کہنے لگے: ''لو پھر اس میں کیا لذت ہوگی۔ اس میں دہی کیوں نہ ملا لیا جائے۔'' قرشی صاحب بولے: ''مگر آپ کو کھانسی ہے...... دہی مضر ہے۔'' فرمایا: '' تو پھر اس کھچڑی سے نہ کھانا اچھا ہے۔'' بقول قرشی صاحب آخری ایام میں ان کی قوت تنقید بہت بڑھ گئی تھی اور مزاج میں بے حد ذکاوت اور نفاست پیدا ہو چکی تھی اس لیے ان کے سوالات کا جواب دینا کوئی آسان بات نہ تھی۔''

۱۲/ اپریل کی شام کو جب راجا صاحب اور سید عابد علی حسب معمول تشریف لائے ان سے مصلحتاً یہ کہا گیا کہ کوئی خطرے کی بات نہیں تو حضرت علامہ بہت خفا ہوئے۔ کہنے لگے: ''میں جانتا ہوں یہ باتیں تعلق خاطر کی بنا پر کہی جاتی ہیں۔ مگر اس طرح سننے والے غلط رائے قائم کر لیتے ہیں۔'' دواؤں کے متعلق بھی ان کا کہنا یہ تھا کہ میں انہیں صحت کیلیے استعمال نہیں کرتا بلکہ اس لیے کہ شدت مرض میں میری خودی (Ego) کو نقصان نہ پہنچے۔

اس رفتار میں مرض الموت کی رفتار کچھ عجب سی رہی۔ اول استسقا کا حملہ ہوا جس سے چہرے اور پاؤں پر ورم آ گیا۔ اب پیٹھ کے درد سے بھی خاصی تکلیف رہتی تھی اور حضرت علامہ فرمایا کرتے تھے: ''میری دواؤں کی آزمائش اس میں ہے کہ پیٹھ کا درد جاتا ہے یا نہیں''۔ مگر پھر رفتہ رفتہ ان علامات میں تخفیف ہونا شروع ہو گئی حتی کہ قرشی صاحب ایک خاص مجبوری کے

باعث دو روز کے لیے راولپنڈی تشریف لے گئے۔ لیکن اگلے ہی روز بیماری نے کچھ ایسا زور پکڑا کہ حضرت علامہ کے بائیں جانب تمام جسم پر ورم پھیل گیا۔ اس حالت میں ڈاکٹر جمعیت سنگھ صاحب کو بلوا گیا۔ انہوں نے معائنے کے بعد قطعاً مایوسی کا اظہار کیا اور دو ایک باتیں ان کے حالت کے متعلق صاف صاف کہہ دیں۔ بایں ہمہ حضرت علامہ مطلق پریشان نہ ہوئے بلکہ ڈاکٹر صاحب کی باتوں کو سن کر اس طرح سوالات کرنا شروع کر دیے جیسے کسی امر کی تنقیح مقصود ہو۔ ڈاکٹر صاحب گئے تو ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب نے کوشش کی کہ دو چار کلمات تسلی کے کہیں مگر حضرت علامہ الٹا ان کی تسکین کی خاطر فرماتے ہوئے کہنے لگے: ''میں مسلمان ہوں۔ موت سے نہیں ڈرتا۔'' اس کے بعد اپنا یہ شعر پڑھا:

نشان مرد مومن با تو گویم

چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

تو انہوں نے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کاغذ قلم لے آؤ خط لکھوانا ہے۔ یہ ان کا آخری خط تھا۔

تیسرے پہر ڈاکٹر جمعیت سنگھ پھر تشریف لائے۔ ڈاکٹر یار محمد خاں صاحب ساتھ تھے۔ شام کو کپتان الٰہی بخش صاحب بھی آ گئے اور باہمی مشورے سے دواؤں اور انجکشنوں کی تجویز ہونے لگی۔ دوسرے روز قریشی صاحب بھی پہنچ گئے۔ اب ہر قسم کی تدابیر ہو رہی تھیں۔ قدیم و جدید سب۔

بالآخر وہ وقت آ پہنچا جس کا کھٹکا مدت سے لگا ہوا تھا۔ ۲۰ر اپریل کی سہ پہر کو جب میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ بیرن فلٹ ہائم (Von Veltheim) اور ان کے ایک پارسی دوست سے گفتگو کر رہے تھے اور گوئٹے اور ہٹلر اور معلوم نہیں کس کس کا ذکر تھا۔ فلٹ ہائم گئے تو چند اور احباب آ گئے جن سے دیر تک لیگ، کانگریس اور بیرونی سیاسیات پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ شام کے قریب جب ان کے معالجین ایک ایک کر کے جمع ہوئے تو انہیں بتلایا گیا کہ حضرت علامہ کو بلغم میں کل شام سے خون آ رہا ہے۔ یہ علامت نہایت یاس انگیز تھی اس لیے کہ خون دل سے آیا تھا۔ اس حالت میں کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ شاید وہ آج کی رات جانبر نہ ہو سکیں۔ مگر انسان اپنی عادت سے مجبور ہے۔ تدبیر کا دامن آخر تک نہیں چھوڑتا۔ قریشی صاحب نے بعض دوائیں تلاش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو موٹر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اتفاق سے اسی وقت راجا صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے پوچھا گاڑی ہے؟ کہنے لگے: ''نہیں مگر کیا مضائقہ ہے ابھی لیے آتا ہوں۔'' چونکہ ان کی اپنی گاڑی خراب تھی لہٰذا اتنا کہہ کر راجہ صاحب

موٹر کی تلاش میں نکل گئے۔ ادھر ڈاکٹر صاحبان کی رائے ہوئی کہ کرنل امیر چند صاحب کو بھی مشورے میں شامل کر لیا جائے۔ اس اثنا میں ہم لوگ حضرت علامہ کا پلنگ صحن میں لے آئے تھے۔ کرنل صاحب تشریف لائے تو ان کی حالت کس قدر سنبھل چکی تھی۔ مطلب یہ کہ ان کے حواس ظاہری کی کیفیت یہ تھی کہ ایک دفعہ پھر امید بندھ گئی۔ لہٰذا طے ہوا کہ کچھ تدابیر اس وقت اختیار کی جائیں اور کچھ صبح۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹر صاحبان چلے گئے اور ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب کو رات کے لیے ضروری ہدایات دیتے گئے۔ اب ہوا میں ذرا سی خنکی آ چکی تھی۔ اس لیے حضرت علامہ بڑے کمرے میں اٹھ آئے اور حسب معمول باتیں کرنے لگے۔ دفعتاً انہیں خیال آیا کہ قریشی صاحب غالباً شام سے بھوکے ہیں اور ہر چند کہ انہوں نے انکار کیا لیکن حضرت علامہ علی بخش سے کہنے لگے کہ ان کے لیے چائے تیار کرے اور نئے بسکٹ جو میم صاحب نے بنائے ہیں، کھلائے۔ اس وقت صرف ہم لوگ یعنی قریشی صاحب، چودھری صاحب، سید سلامت اللہ اور راقم الحروف ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت علامہ نے راجا صاحب کو یاد فرمایا تو ان سے عرض کیا گیا کہ وہ کام سے گئے ہیں۔ ۱۱ بجے تو اس خیال سے کہ ہم لوگ شاید ان کی نیند میں حارج ہو رہے ہیں چودھری صاحب نے اجازت طلب کی لیکن حضرت علامہ نے فرمایا: ''میں دوا پی لوں، پھر چلے جایئے گا۔'' اس طرح بیس پچیس منٹ اور گزر گئے حتیٰ کہ شفیع صاحب کیمسٹ کے ہاں سے دوا لے کر آ گئے۔ حضرت علامہ کو ایک خوراک پلائی گئی مگر پیتے ہی ان کا جی متلانے لگا اور انہوں نے خفا ہو کر کہا ''یہ دوائیں غیر انسانی (Inhuman) ہیں۔'' ان کی گھبراہٹ کو دیکھ کر قریشی صاحب نے خمیرہ گاؤزبان عنبری کی ایک خوراک کھلائی جس سے فوراً سکون ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت علامہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ ایلوپیتھک دوا استعمال نہیں کریں گے اور جب شفیع صاحب نے یہ کہا کہ انہوں اوروں کے لیے زندہ رہنا چاہیے تو فرمایا: ''ان دواؤں کے سہارے نہیں'' (Not on these medicines) اس طرح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ بالآخر یہ دیکھ کر کہ حضرت علامہ نیند کی طرف مائل ہیں ہم نے اجازت طلب کی۔ انہوں نے فرمایا: بہت اچھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے ان کی خواہش تھی کہ ہو سکے تو قریشی صاحب ٹھہرے رہیں۔ بایں ہمہ انہوں نے اس امر پر اصرار نہیں کیا۔ اس وقت بارہ بج کر تین منٹ ہو آئے تھے اور کسی کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ آخری صحبت ہو گی جاوید منزل کی!

ہم لوگ حضرت علامہ کی خدمت سے اٹھ کر آئے ہی تھے کہ راجا صاحب تشریف لے آئے اور آخر شب تک وہیں حاضر رہے۔ شروع شروع میں تو حضرت علامہ کو سکون رہا اور وہ

کچھ سو بھی گئے لیکن پچھلے پہر کے قریب بے چینی شروع ہو گئی۔ اس پر انہوں نے شفیع صاحب سے کہا "قریشی صاحب کو لے آؤ۔" وہ ان کے ہاں آئے تو سہی لیکن غلطی سے اطلاع نہ کر سکے۔ شاید ۳ بجے کا وقت ہو گا کہ حضرت علامہ نے راجا صاحب کو طلب فرمایا۔ ان کا (راجا صاحب) کا اپنا بیان ہے کہ جب میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت علامہ نے دیوان علی سے کہا: "تم سو جاؤ البتہ علی بخش جاگتا رہے کیونکہ اب اس کے سونے کا وقت نہیں"۔ اس کے بعد مجھ سے فرمایا: پیٹھ کی طرف کیوں بیٹھے ہو سامنے آ جاؤ۔ میں ان کے متصل ہو بیٹھا کہنے لگے: قرآن مجید کا کوئی حصہ پڑھ کر سناؤ۔ کوئی حدیث یاد ہے؟ اس کے بعد ان پر غنودگی سی طاری ہو گئی میں نے دیا گل کر دیا اور باہر تخت پر آ بیٹھا۔ راجا صاحب چلے آئے تو ایک دفعہ پھر کوشش کی گئی کہ حضرت علامہ رات کو دوا استعمال کریں مگر انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ اک مرتبہ فرمایا: "جب ہم حیات کی ماہیت ہی سے بے خبر ہیں تو اس کا علم (science) کیونکر ممکن ہے؟" تھوڑی دیر کے بعد راجا صاحب کو پھر بلوایا گیا۔ حضرت علامہ نے ان سے کہا کہ آپ یہیں کیوں نہیں آرام کرتے اور پھر ان سے قریشی صاحب کے لانے کے لیے کہا۔ راجا صاحب کہتے ہیں۔ "میں اس وقت کی حالت کا مطلق اندازہ نہ کرنے پایا تھا۔ میں نے عرض کیا حکیم صاحب رات دیر سے گئے ہیں۔ شاید ان کا بیدار کرنا مناسب نہ ہو۔" اس پر حضرت علامہ نے فرمایا: "کاش ان کو معلوم ہوتا مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔" پھر اپنی رباعی پڑھی جو گذشتہ دسمبر میں انہوں نے کہی تھی

سرود رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

راجا صاحب کہتے ہیں۔ میں نے ان اشعار کو سنتے ہی عرض کیا کہ ابھی حکیم صاحب کو لے آتا ہوں۔ یہ واقعہ ۵ بج کر ۵ منٹ کا ہے۔ راجا صاحب گئے تو حضرت علامہ خواب گاہ میں تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر عبدالقیوم نے حسب ہدایات فروٹ سالٹ تیار کیا۔ حضرت علامہ بھرے ہوئے گلاس کو دیکھ کر کہنے لگے: "اتنا بڑا گلاس کس طرح پیوں گا؟" اور پھر چپ چاپ سارا گلاس پی گئے۔ علی بخش نے چوکی پلنگ کے ساتھ لگا دی۔ اب اس کے سوا کمرے میں اور

کوئی نہیں تھا۔حضرت علامہ نے اول اسے شانوں کو دبانے کے لیے کہا پھر دفعتاً لیٹے لیٹے اپنے پاؤں پھیلا لیے اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہا: ''یا اللہ ۔'' پھر فرمایا: ''میرے یہاں درد ہے۔'' اس کے ساتھ ہی سر پیچھے کی طرف گرنے لگا۔علی بخش نے آگے بڑھ کر سہارا دیا تو انہوں نے قبلہ رو ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔اس طرح وہ آواز جس نے گذشتہ ربع صدی سے ملت اسلامیہ کے سینے کو سوز آرزو سے گرمایا تھا۔ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔علامہ مرحوم نے خود اپنے ارشادات کو کاروان اسلام کے لیے بانگ درا سے تعبیر کیا تھا اور آج جب ہماری سوگوار محفل ان کے وجود سے خالی ہے تو انہیں کا یہ شعر بار بار زبان پر آتا ہے:

جس کے آوازے سے لذت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟
اِنَا لِلّٰہِ وَاِنَا اِلَیہِ رَاجِعُون

❁❁❁

شاعرِ مشرق کا وقتِ آخر

علامہ اقبال کے بھائی کے نواسے خالد نظیر صوفی اقبال درونِ خانہ میں لکھتے ہیں ---

آج کئی اصحاب اس کے دعوے دار ہیں کہ نانا جان قبلہ نے جس وقت اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کی تو یہ لوگ آپ کے پاس موجود تھے۔بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وقتِ نزع شاعرِ مشرقؒ کا سر ان کی گود میں تھا یا وہ آپ کے پاؤں داب رہے تھے۔لیکن ڈاکٹر عبد القیوم صاحب کے اس انکشاف نے ان کے دعوؤں پر پانی پھیر دیا ہے کہ اُس رات نانا جان کے پاس صرف ملک صاحب اور علی بخش تھے اور جس وقت نانا جان کی روح جسم کی قید سے آزاد ہوئی تو اُس وقت صرف علی بخش آپ کے پاس تھا۔

ڈاکٹر ملک صاحب، نانا جان مغفور کی زندگی کی آخری رات کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میں نے اخبارات اور کتابوں میں کئی ایک 'بزرگانِ قوم' کے بیانات اُس رات کے متعلق دیکھے ہیں لیکن چونکہ میں کسی کو جھوٹا ثابت کرنا اور اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا تھا اس لیے آج تک خاموش رہا۔ میں نے چونکہ وہ رات جاوید منزل ہی میں گزاری تھی

اس لیے مجھے سب معلوم ہے کہ اُس رات کیا کیا واقعات پیش آئے۔ ۲۰ راپریل کی شام کو ڈاکٹر جمعیت سنگھ، جو حکیم الامتؒ کے فیملی ڈاکٹر تھے، تشریف لائے تو علامہ مرحوم کی حالت کے پیش نظر انھوں نے Mersalyl کا ٹیکہ لگانے کا فیصلہ کیا۔ مجھ سے انھوں نے مشورہ کیا تو میں نے بھی تائید کی۔ اُن دنوں چونکہ اس ٹیکے سے پیشتر ”ایمونیم کلورائیڈ“ (نوشادر) دینا ضروری سمجھا جاتا تھا تاکہ پیشاب کھل کر آجائے اس لیے ڈاکٹر سنگھ نے میری ڈیوٹی لگائی کہ میں بازار سے ”ایمونیم کلورائیڈ“ لاکر علامہ مرحوم کو پلادوں تاکہ ٹیکہ لگایا جاسکے۔ چنانچہ میں اسی وقت بازار سے مطلوبہ دوا لے آیا۔ ”ایمونیم کلورائیڈ“ چونکہ بہت تیز اور بدذائقہ ہوتا ہے اور مجھے علامہ مرحوم کے مزاج سے واقفیت تھی کہ آپ کڑوی کسیلی دوا کے بہت خلاف ہیں اس لیے دوا کے ذائقے کو گوارا بنانے کے لیے اس میں تھوڑا سا ”گلیسرینا“ بھی ملا دیا، لیکن اس کے باوجود جب دوا آپ کو پلائی گئی تو اس کا ذائقہ انھیں بہت ناگوار گزرا اور آپ نے برا سا منہ بنا کر فرمایا: ”تم ڈاکٹروں کی دوائیں انتہائی بدذائقہ ہوتی ہیں اور تم مریض کے مزاج کا قطعاً خیال نہیں رکھتے۔“ اس رات ڈاکٹر سنگھ کو اور مجھے اس کا احساس تھا کہ یہ رات علامہ مرحوم کے لیے خطرناک ہے کیونکہ ان کی حالت اس کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ شاید ہی آج کی رات گزار سکیں۔ اس لیے ڈاکٹر سنگھ اور میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ رات کو میں جاوید منزل ہی میں ٹھہروں گا، چنانچہ اسی فیصلے کے تحت مرحوم کی زندگی کی آخری رات میں ان کے پاس موجود رہا۔“

ملک صاحب بتاتے ہیں کہ: ”اُس رات حکیم الامتؒ کا بستر جاوید منزل کے پورچ (Porch) میں لگایا گیا تھا۔ ساری رات آپ وہیں بستر میں خاموش لیٹے رہے اور ایک پل کے لیے بھی آنکھ نہیں جھپکی۔ پچھلے پہر کچھ خنکی ہو گئی اس لیے صبح ہونے کے بالکل قریب آپ نے فرمایا: ”بھائی! مجھے اندر کمرے میں لے چلو۔“ یہ وہ آخری الفاظ ہیں جو علامہ مرحوم نے وفات سے چند لمحے قبل کہے۔ میں اور علی بخش انھیں چارپائی سمیت اٹھا کر ان کے کمرۂ خاص میں لے گئے جو جاوید منزل کی نشست گاہ سے ملحق ہے اور جس کی دو کھڑکیاں باہری برآمدے میں کھلتی ہیں۔ رات بھر جاگنے سے میری طبیعت کسلمند ہو رہی تھی اس لیے کچھ دیر ستانے کی خاطر باہر لان میں آکر لیٹ گیا اور علامہ مرحوم کے پاس اندر صرف علی بخش رہ گیا۔ میں ابھی لیٹا ہی تھا کہ علی بخش نے کمرے میں سے چلا کر مجھے پکارا کہ ڈاکٹر صاحب جلدی آیئے۔ میں بھاگ کر اندر پہنچا تو آپ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ گردن ڈھلک کر چہرہ خود بخود قبلہ رو ہو گیا تھا۔ آنکھیں نرمی سے بند اور لبوں پر ہلکا سا تبسم رقصاں تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اب بڑے آرام

سے محوِ استراحت ہیں۔ میں نے جلدی سے آپ کی نبض ٹٹولی اور مایوس ہو کر ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجعُون'' پڑھتے ہوئے جب چادر سے آپ کا چہرہ ڈھانپا تو علی بخش آپ کے قدموں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُس وقت ہر جانب سے صبح کی اذانوں کی پرسطوت صدائیں آرہی تھیں۔

❀❀❀

زندگی کے آخری لمحات

عبدالمجید سالک نے ذکرِ اقبال میں ان کی زندگی کے آخری لمحات بیان کئے ہیں جو سید نذیر نیازی کے مضمون آخری علالت سے کچھ مختلف اور تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ ہم اس کا اقتباس یہاں پیش کر رہے ہیں۔

اگرچہ علامہ کی علالت کا سلسلہ ۱۹۳۴ء سے جاری تھا۔ لیکن جب ۱۹۳۸ء کا آغاز ہوا اور آل انڈیا پیمانہ پر پہلی بار یومِ اقبال نہایت کامیابی سے منایا جا چکا، تو علامہ کی علالت نے یک بیک ایک نیا پلٹا کھایا۔ اُس زمانے میں حکیم محمد حسین قرشی ان کا علاج کر رہے تھے۔ علامہ کو ضیق النفس کے خفیف دورے شروع ہوئے۔ پچھلی رات بے خوابی ہونے لگی۔ دو ایک دن نقرس کی تکلیف بھی رہی۔ ضیق النفس کے لیے حکیم قرشی صاحب نے ایک ہلکا سا جوشاندہ تجویز کر رکھا تھا جس کے استعمال سے سکون ہو جاتا تھا۔ حکیم صاحب کی تشخیص یہ تھی کہ علامہ کو دمہ قلبی ہے اور اس کی وجہ سے ضعف قلب ہے۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے بھی اس تشخیص کی تائید کی۔ اُن دنوں ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ علامہ بستر پر بیٹھ کر تکیہ اپنے آگے رکھوا لیتے اور اس پر اپنا سر ٹیک دیتے۔ ۲۵؍فروری کو دمہ کا دورہ ہوا۔ جوشاندہ پیا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ پھر ایلوپیتھک علاج شروع ہوا۔ جس میں دورے کو روکنے اور نیند لانے کی تدبیر کی جاتی تھی۔ چند روز ذرا آرام سے گزر گئے۔ ۲۰؍مارچ کی شب کا ذکر ہے علامہ پر ضعفِ قلب سے غشی طاری ہوئی اور وہ اسی حالت میں پلنگ سے گر گئے۔ دوسرے دن حکیم قرشی صاحب نے ان کو دیکھا تو ان کے نیازمندوں کو بتا دیا کہ علامہ کا قلب نہایت ضعیف ہے۔ جگر اور گردے بھی ماؤف ہو چکے ہیں۔ مگر اللہ پر بھروسا رکھنا چاہئے۔ مناسب تدابیر اور احتیاط سے افاقہ ہو جائے گا۔

ڈاکٹر محمد یوسف، ڈاکٹر الٰہی بخش، ڈاکٹر جمعیت سنگھ سے بھی کبھی کبھی مشورہ کر لیا جاتا اور

وہ بھی انتہائی توجہ اور عقیدت سے علاج کرتے۔ لیکن علامہ ڈاکٹری دواؤں کی تلخی اور ناگواری سے بے حد گھبراتے تھے اور علاج جاری نہ رہ سکتا تھا۔ معالج سب کے سب متفق تھے کہ علامہ کو عظم واتساع قلب کا عارضہ ہے۔ چونکہ قلب ضعف کی وجہ سے اپنے وظائف پوری طرح ادا نہیں کر سکتا، اس لیے دمہ عارض ہے۔ گردوں کی کیفیت دیکھ کر حکیم قریشی صاحب کا خیال تھا کہ استسقاء کا اندیشہ ہے۔

مرض الموت کی کیفیت یہ تھی کہ آخر میں استسقاء ہوا۔ چہرے پاؤں پر ورم ہو گیا۔ دردِ پشت اور دردِ شانہ کے عوارض شروع ہو گئے۔ ڈاکٹر جمعیت سنگھ نے دیکھا تو مایوسی ظاہر کی۔

۱۹/اپریل کی شام سے حضرت علامہ کو بلغم میں کسی قدر خون آرہا تھا اور یہ علامت سب کے نزدیک یاس انگیز تھی۔ ڈاکٹر امیر چند آ گئے اور ڈاکٹر عبدالقیوم کو چند ہدایات دے کر چلے گئے۔ اس کے بعد علامہ کو خیال آیا کہ حکیم قرشی شام سے بھوکے بیٹھے ہیں۔ کھانا نہیں کھایا۔ آپ نے علی بخش سے کہا کہ حکیم صاحب کو بسکٹ کھلاؤ اور چائے پلاؤ۔ چودھری محمد حسین، حکیم قرشی صاحب، سید سلامت اللہ شاہ اور سید نذیر نیازی خدمت میں حاضر تھے۔ راجہ حسن اختر کے متعلق دریافت فرمایا تو بتایا گیا کہ وہ ایک کام سے گئے ہیں۔ شفیع صاحب کیمسٹ کے ہاں سے دوا لے کر آئے، مگر اس کے پیتے ہی علامہ کا جی متلانے لگا۔ اس پر حکیم صاحب نے خمیرہ گاؤزبان عنبری کی ایک خوراک دی۔ جس سے طبیعت بحال ہو گئی۔

عبدالقیوم نے حسبِ ہدایت فروٹ سالٹ تیار کیا۔ حضرت علامہ نے فرمایا۔ اتنا بڑا گلاس کیوں کر پیوں گا؟ اور پھر چپ چاپ سارا گلاس پی گئے۔ علی بخش نے چوکی پلنگ کے ساتھ لگا دی۔ اُس وقت علی بخش کے سوا کمرے میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ علامہ نے اس سے فرمایا ''میرے شانوں کو دباؤ'' پھر بیٹھے بیٹھے اپنے پاؤں پھیلا لیے، اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہا ''یا اللہ! یہاں درد ہے''۔ اس کے ساتھ ہی سر پیچھے کی طرف گرنے لگا۔ علی بخش نے بڑھ کر سہارا دیا، تو حضرت حکیم الامت نے قبلہ رو ہو کر آنکھیں بند کر لیں اور اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں سرخرو حاضر ہو گئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. کل من علیھا فان. ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام.

❀❀❀

علامہ اقبال کی آخری رات

کاش آخری خواہش پوری ہوتی!

کہتے ہیں ”بڑے گھر کی چھوٹی بات بھی بڑی ہوتی ہے“۔ جاوید منزل ویسے کوئی عالی شان کوٹھی نہ تھی لیکن اس کا مکین جو قلندرانہ صفت کا حامل تھا بہت بڑا شخص تھا اور اس کی نسبت سے وہ گھر بھی بڑا گھر بن چکا تھا، چنانچہ علماء شرفا اور عوام اس پر حاضری دینا اپنے لیے باعث عزت وفخر سمجھتے تھے۔ لاہور کی جاوید منزل ہی نہیں بلکہ سیالکوٹ کی ”اقبال منزل“ جس میں علامہ کی ولادت ہوئی اُس میں بھی حاضری دینے کے لیے مشاہیر عالم تشریف لاتے رہے۔ اپریل ۱۹۴۴ء میں قائد اعظم محمد علی جناح ۱۹۵۲ء میں محترمہ فاطمہ جناح اور مصر کے مشہور ادیب عبدالوہاب مصری نے اس پر حاضری دی۔ ۱۹۵۲ء میں ایران کے عظیم ادیب علامہ سعید نفیسی جنہیں علامہ اقبال سے بے پناہ محبت تھی اقبال منزل آئے اور اجازت لے کر ایک پوری رات اس میں مقیم رہے۔

۲۰ر اپریل کے دن ڈھلنے کے بعد جو رات آئی وہ علامہ کی زندگی کی آخری رات تھی جس کی سحر علامہ نے نہیں دیکھی۔ چنانچہ ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء مطابق ۱۹ صفر صبح سوا پانچ بجے علامہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ہم نے جب اس رات کا تفصیلی اور تحقیقی جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ واقعات بیان کرنے والوں کی گفتگو یکساں نہیں بلکہ مختلف ہے اور ان کے بیانات میں شدید اختلافات ہیں۔ لوگوں نے علامہ سے قربت ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کے جھوٹے واقعات بیان کیے ہیں جیسے وہ ساری رات جاوید منزل میں موجود تھے کوئی علامہ کے پاؤں داب رہا تھا کوئی علامہ کے درد کمر کو کم کرنے کے لیے مالش کر رہا تھا کوئی متلی کو رفع کرنے کے لیے معجون کھلا رہا تھا اور کسی کی آغوش میں علامہ نے آخری ہچکی لی وغیرہ وغیرہ۔

علامہ اقبال کے انتقال کے فوری بعد وہ افراد جو علامہ کے قریبی دوست اور رشتے دار جانے جاتے تھے واقعات کو بغیر کسی تحقیق کے بیان کرنے لگے چنانچہ ضد و نقیض بیانات، کتابوں، رسالوں، اخباروں میں برابر شائع ہوتے رہے اور نصف صدی سے زیادہ گزرنے کے بعد اصلی واقعات کو جھوٹے اور فرضی بیانات سے جدا کرنا بڑا دشوار کام ہو گیا۔ علامہ کے فرزند جسٹس جاوید اقبال اس وقت آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے وہ اس رات علامہ سے ملاقات کر کے جس کا ذکر آگے ہوگا آرام کرنے چلے گئے۔ علامہ کی اپنی بیٹی منیرہ اس وقت

صرف ساڑھے سات سال کی تھی چنانچہ اس رات کی وہ مکمل ترجمان نہیں ہو سکتی۔ بہر حال جسٹس جاوید اقبال کو اپنی تصنیف زندہ رود میں ان افراد کے اقوال اور بیانات لکھنے پڑے جو علامہ کے قریبی دوست اور احباب تھے اور خود کو چشم دید گواہ کہتے تھے۔ ۱۹/اپریل سے بلغم میں خون بھی آنے لگا تھا جس کو اطباء نے تشویش ناک حالت بتائی اس لیے اس رات چودھری محمد حسین نے جاوید منزل پر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کو طلب کیا جس میں ڈاکٹر محمد یوسف، ڈاکٹر امیر چند، ڈاکٹر یار محمد، ڈاکٹر الٰہی بخش، ڈاکٹر جمعیت سنگھ اور ڈاکٹر عبدالقیوم شامل تھے۔ ڈاکٹروں نے دوسرے دن سے علامہ کے علاج میں تبدیلی کا ارادہ کیا اور ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب کو ضروری ہدایات دی گئی اسی لیے وہ ساری رات جاوید منزل پر جاگتے رہے۔ چنانچہ ہمیں اس رات کے واقعات کو صحیح طور پر بیان کرنے کے لیے علامہ کے خادم علی بخش اور ڈاکٹر عبدالقیوم کے بیانات کو بھی اہمیت دینی پڑے گی جو تمام رات جاوید منزل میں موجود تھے۔

۲۰/اپریل کو ساڑھے چار بجے سہ پہر جب علامہ کمر کے درد اور دمہ کی کیفیت سے بے چین تھے اتفاقاً ان سے ملنے کے لیے ان کے اقامت جرمن کے زمانے کے ایک ہم جماعت بیرن فلٹ حائم آگئے۔ اقبال نے ان سے اپنی طالب علمی کے زمانے کی باتیں بڑے لطف اور خوشی سے کیں اور کچھ لمحے کے لیے اپنی بیماری اور درد بھول گئے چنانچہ ان کے جانے کے بعد بھی دوسرے دوستوں سے مسلم لیگ اور کانگریس کی باتیں جاری رہیں۔ جاوید اقبال زندہ رود میں لکھتے ہیں کہ اس شام کو ہوا میں بہار کے پھولوں کی خوشبو بکھری ہوئی تھی چنانچہ اسی لیے علامہ کی چارپائی کو شام سے ہی کمرے سے باہر لا کر دالان میں بچھایا گیا تھا۔ منیرہ جو تقریباً ساڑھے سات سال کی تھی اور روزانہ دو تین بار علامہ سے بستر پر جا کر باتیں کرتی تھی اس شام کو بھی آپا جان کے ہمراہ دالان میں آکر علامہ سے لپٹ کر اپنی بلبل زبانی میں باتیں کرنا شروع کیں لیکن وہ اس شام کو علامہ کے پاس سے اٹھنا نہیں چاہتی تھی اگرچہ آپا جان نے کئی مرتبہ چاہا کہ منیرہ کو علامہ سے جدا کرے لیکن منیرہ نہیں اٹھی۔ اس وقت علامہ نے مسکرا کر آپا جان سے انگریزی میں کہا۔ شاید اس کی حس اس کو اس بات کا احساس دلا رہی ہے کہ یہ باپ کے ساتھ آخری ملاقات ہے۔ منیرہ جب علامہ سے خدا حافظی کر کے جدا ہوئی تو گرلس اسلامک کالج کی پرنسپل فاطمہ بیگم علامہ کے حضور میں آئیں اور کچھ دیر تک قرآن کی تعلیم کے سلسلہ میں گفتگو جاری رہی۔ تقریباً رات کے ساڑھے آٹھ بجے سید نذیر نیازی، حکیم محمد حسن قرشی، سید سلامت شاہ، چودھری محمد حسین اور راجہ حسن اختر جاوید منزل آئے جہاں پہلے ہی سے محمد شفیع اور ڈاکٹر عبد

القیوم موجود تھے۔ جاوید اقبال کہتے ہیں تقریباً ۹ بجے رات وہ علامہ کے سرہانے پہنچے لیکن علامہ نے انہیں نہیں پہچانا اور سوال کیا کون ہے؟ جب جاوید نے اپنا نام بتایا تو علامہ مسکرائے اور کہا کہ جاوید بن کر دکھاؤ پھر جاوید کو اپنے سے لپٹا لیا اور پھر چودھری محمد حسین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ جاوید نامہ سے وہ اشعار پڑھیں جو انہوں نے جاوید سے خطاب کر کے کہے ہیں۔ جب چودھری محمد حسین نے وہ اشعار پڑھے جس کا آخری شعر تھا

سرِ دینِ مصطفیٰ گویم ترا
ہم بہ قبر اندر دعا گویم ترا

تو علی بخش ڈھاریں مار کر رونے لگا۔ چودھری محمد حسین نے علی بخش کو خاموش کرنے کی کوششیں کی تو علامہ نے کہا۔ ''اسے رونے دو آخر چالیس سال کی رفاقت کا ساتھ ہے۔''

علامہ کے بڑے بھائی عطا محمد کے نواسے خالد نظیر صوفی اقبال درون خانہ میں لکھتے ہیں۔ علامہ کو کڑوی کسیلی دواؤں سے سخت نفرت تھی اور وہ ان کے استعمال سے گھبراتے تھے چنانچہ جب رات انہیں کڑوی دوا دی گئی تو جی متلانے لگا۔ علامہ نے خفا ہو کر شفیع صاحب سے کہا یہ دوائیں غیر انسانی (Inhuman) ہیں۔ اور پھر صاف کہہ دیا کہ وہ ایلو پیتھک دوا استعمال نہیں کریں گے۔ جب شفیع صاحب نے کہا کہ انہیں اوروں کے لیے زندہ رہنا ہے تب اقبال نے کہا

(Not on these medicines).

علامہ اقبال کے بڑے بھائی عطا محمد کے نواسے خالد نظیر صوفی اقبال درون خانہ میں ڈاکٹر عبدالقیوم کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ اُس رات حکیم الامتؒ کے پاس ۱۲ بجے تک کافی لوگ موجود تھے۔ باتیں ہو رہی تھیں۔ لیکن علامہ مرحوم زیادہ تر خاموش ہی رہے اور صرف ''ہوں''، ''ہاں'' ہی میں کسی کسی بات کا جواب دیا۔ ہاں جس چیز کا انہوں نے بار بار ذکر کیا وہ پنجابی کی کوئی نعت تھی جو آپ نے کبھی سُنی تھی اس کے متعلق اُن کا فرمانا تھا کہ ویسی نعت انہوں نے اردو، فارسی یا عربی میں کہیں پڑھی اور نہ ہی کبھی سُنی ہے۔ وہ اپنے احباب سے اُس نعت کی تعریفیں کرتے رہے کہ پنجابی زبان کی وہ نعت اس قدر بلند پایہ ہے کہ اپنی ساری زندگی میں کوشش کے باوجود وہ خود بھی اس کے ہم پلہ کوئی نعت نہیں کہہ سکے۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ ایک دفعہ پھر وہ نعت اُس آدمی کی زبانی سنیں جس سے کہ پہلے سُنی تھی اس خواہش کا اظہار بار بار انہوں نے اپنے دوستوں سے کیا چنانچہ سارے دوست ایک ایک کر کے یہ کہہ کر چلے گئے کہ اُس نعت خواں کو لے کر آئیں گے۔ مگر صد افسوس کہ وعدہ کر کے جانے والوں میں کوئی بھی واپس نہ آیا اور

شاعرِ مشرق کی آخری خواہش تشنۂ تکمیل رہی۔'' واقعات اور معتبر بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً 10-12 افراد اُس وقت رات میں موجود تھے علامہ نے پنجابی نعت کا ذکر کیا اور اُس کے سُننے کی خواہش ظاہر کی، لیکن افسوس کہ ان لوگوں میں سے بعض افراد نے کتابوں کے صدہا اوراق سیاہ کئے لیکن اس نورانی خواہش کا ذکر تک نہ کیا یہاں تک کہ ڈاکٹر عبدالقیوم جو اس واقعہ کے راوی ہیں انہوں نے بھی اس پنجابی نعت کو دریافت کرنے کی توجہ نہ کی۔ اے کاش ہمیں معلوم ہو جاتا وہ کون سی نورانی نعت ہے جس کی آرزو ہمیشہ کے لیے علامہ کے دل کی روشنی بنی رہی۔

اُس رات جب دوست احباب چلے گئے تو علامہ ساری رات بستر میں خاموش لیٹے رہے اور ایک پَل کے لیے بھی آنکھ نہ جھپکی۔ پچھلے پہر سے پہلے جب کچھ سردی محسوس ہوئی تو فرمایا۔'' بھائی مجھے اندر کمرے میں لے چلو۔'' چنانچہ علامہ کو علی بخش اور ڈاکٹر عبدالقیوم نے چارپائی سمیت اُٹھا کر ان کے خاص کمرے میں لے گئے۔ پھر ڈاکٹر عبدالقیوم چونکہ رات بھر جاگے ہوئے تھے ستانے کے لیے باہر دالان میں آ کر لیٹ گئے اور اُس وقت علی بخش کے سوا کمرے میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ چنانچہ تقریباً صبح کے پانچ بج رہے تھے علامہ نے علی بخش سے کہا ''میرے شانوں کو دباؤ''۔ پھر بیٹھے بیٹھے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا یہاں درد ہو رہا ہے اور پھر ''یا اللہ'' زبان سے نکلا اور علامہ کا منکا ڈھل گیا اور چہرہ خود بخود قبلہ رو ہو گیا۔ ڈاکٹر عبدالقیوم کہتے ہیں کہ علی بخش نے چلا کر پکارا ڈاکٹر صاحب جلد آیئے اور جب میں پہنچا جو علامہ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ آپ کی آنکھیں بند اور لبوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔ علی بخش قدموں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ تقریباً صبح کے سوا پانچ بجے تھے اور اس وقت فضا میں ہر طرف اذانوں کی پر سطوت صدائیں گونج رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر عبدالقیوم نے ٹیلیفون پر ریڈیو اسٹیشن والوں کو علامہ کے انتقال کی اطلاع دی اور دن چڑھتے ہی دوست احباب اور عوام جوق در جوق جاوید منزل کی طرف آنے لگے اور علامہ کے چہرے کی زیارت کرتے رہے۔ اخباروں نے ضمیمہ شائع کیا۔ اسکول، کالج، سرکاری دفاتر، عدالتیں اور بازار بند ہو گئے۔ علامہ کا جنازہ شام کے پانچ بجے جاوید منزل سے برآمد ہو کر اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں پہنچا جہاں نماز پڑھنے کے لیے تقریباً بیس ہزار افراد جمع تھے۔ جنازے کے جلوس میں تقریباً پچاس ہزار مسلمان ہندو اور سکھ شریک تھے جو تقریباً ۷ بجے شام ہی مسجد پہنچا اور پھر پونے دس بجے سپرد خاک کیا گیا۔

یہاں تجہیز و تکفین کے مسائل اور ان پر گفتگو کے لیے خود ایک علیحدہ مضمون درکار ہے جسے ہم ناتمام رکھ کر یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جیسا مختلف کتابوں رسالوں اور بیانات

سے واضح ہے کہ علامہ نے انتقال سے چند منٹ پہلے اپنی معروف رباعی کہی تھی یہ بات صحیح نہیں۔ یہ رباعی علامہ نے ستمبر ۱۹۲۷ء میں لکھی تھی۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید نسیمی از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار ایں فقیری دگر دانائے راز آید کہ ناید

انتقال سے چند روز قبل علامہ کے بڑے بھائی عطا محمد نے ان سے موت کے موضوع پر گفتگو کی تو بھائی کو مخاطب ہو کر علامہ نے کہا میں مسلمان ہوں اور موت سے نہیں ڈرتا اور پھر یہ شعر پڑھا۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

علامہ کے انتقال کے وقت عطا محمد سیالکوٹ میں تھے لاہور پہنچتے وقت شام ہو چکی تھی اور جنازہ شاہی مسجد پہنچ چکا تھا چنانچہ وہ روتے ہوئے مجمع کو ہٹاتے جاتے اور کہتے تھے لوگو مجھے میرے بھائی کا چہرہ دیکھ لینے دو۔ اس نے کہا تھا اس کے چہرے پر مرنے کے بعد تبسم ہوگا۔ ہاں یقیناً اقبال کے چہرے پر تبسم تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

❀❀❀

علامہ اقبال کا جلوسِ جنازہ

شہر لاہور کے دو جلوسِ جنازہ خاص اہمیت اور کیفیت کے حامل تھے جن کی نظیر ہمیں لاہور کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک جلوسِ جنازہ شہید علیم الدین کا جس کو علامہ اقبال اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور دوسرا خود اقبال کا جنازہ جس کو ہر فردِ ملت کندھا دے رہا تھا اور بلا تفریق مذہب و ملت تمام تر شہر لاہور اس میں شریک تھا۔ ہم اس تحریر میں عنوانِ تحریر کا خیال کرتے ہوئے شہید علیم الدین کے جنازے کے تعلق سے مختصر گفتگو کریں گے تاکہ علامہ کے عشقِ رسول ﷺ کی ایک ہلکی سی جھلک اس تحریر میں بھی نمایاں ہو جائے۔

جب ایک متعصب شخص راج پال نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخانہ کتاب رنگیلا رسول ﷺ نشر کی اور اس کتاب کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں میں غم اور غصہ کی لہر دوڑی لیکن

حکومتِ برطانیہ نے راج پال ہی کا ساتھ دیا تو اس وقت ایک نوجوان علیم الدین نے راج پال کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس قتل کے اقرار پر حکومت برطانیہ نے علیم الدین کو پھانسی دے کر ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید کر دیا۔ جب راج پال کے قتل کی اطلاع اقبال کو ہوئی تو اقبال نے کہا۔ ''ہم پڑھے لکھوں سے تو وہ ان پڑھ ترکھان (بڑھئی) کا لڑکا کہیں زیادہ عقل مند نکلا۔ ہم بحثوں میں الجھے رہے وہ کامیاب ہو گیا۔'' بیان کیا جاتا ہے کہ جب شہید علیم الدین کے جنازے کا جلوس جس میں ہزاروں افراد شامل تھے علامہ کی کوٹھی کے سامنے سے گزرا تو علامہ اپنی شدید بیماری اور کمزوری کے باوجود اس جنازے کے استقبال کے لیے اپنے گھر کی پھاٹک پر چند احباب کے ساتھ منتظر تھے۔ آپ نے اس بیماری کے عالم میں آگے بڑھ کر بڑی دور تک جنازے کو کندھا دیا۔ علامہ کا چہرہ سرخ تھا اور ان کی آنکھوں میں شہید کی کامیابی پر خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے۔ یہ تھی علامہ کی حضورؐ اور ان سے محبت رکھنے والوں سے محبت۔ علامہ خود فرماتے ہیں۔

اصل سنت جز محبت ہیچ نیست　　　علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست

یعنی اصلی سنت محبت کے علاوہ کچھ نہیں۔ دینِ حق بھی شریعت کے سوا کچھ نہیں۔ آخری ایام زندگی میں علامہ طولانی بیماری اور کڑوی کسیلی دواؤں سے تنگ آ چکے تھے۔ چنانچہ مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق کے '' در حضورؐ رسالتمآبؐ '' میں تندرستی اور ان دواؤں سے چھٹکارے کی دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کار این بیمار نتوان برد پیش　　　من چوں طفلاں نالم از داروئے خویش
در نسازد بادوا ہا جانِ زار　　　تلخ و بویش بر مشامم ناگوار
با پرستارانِ شب دارم ستیز　　　باز روغن در چراغ من بریز

یعنی بیماری سے چھٹکارا نہیں اور میں بچوں کی طرح کڑوی دواؤں سے گھبراتا ہوں۔ میں تاریکی پھیلانے والوں سے لڑ رہا ہوں کچھ اور تیل میرے چراغ میں ڈال دے۔ بہر حال یہ چراغ عشقِ محمدیؐ ۲۱ اپریل کی سحر کو نسیم سحر کے جھونکے سے گُل ہو گیا۔ ڈاکٹر ملک بتاتے ہیں کہ اس وقت فضا میں ہر جانب صبح کی اذانوں کی پر سطوت آوازیں بکھر رہی تھیں اور صبح کے کوئی سوا پانچ بجے تھے۔ ایک طرف علامہ کے قدموں سے لپٹ کر علی بخش پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور دوسری طرف علامہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم مومن کی علامت دکھا رہا تھا جس کی پیش گوئی خود اقبال نے کی تھی۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم　　　چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

(مردِ مومن کی علامت تجھ سے کہتا ہوں کہ جب اس پر موت آئے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ رہتی ہے)۔

ڈاکٹر ملک نے علامہ کے انتقال کے کچھ لمحوں بعد ٹیلیفون پر ریڈیو اسٹیشن والوں کو اطلاع کر دی۔ علامہ کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی کچھ ہی دیر میں علامہ کے تمام تر مصاحب جاوید منزل پہنچ گئے۔ جن میں چودھری محمد حسین، خلیفہ شجاع خان، سعادت علی خان، سید محسن شاہ، میاں نظام الدین، میاں امیر الدین، مولانا غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، مولانا غلام مرشد، راجہ حسن اختر اور ڈاکٹر مظفر قریشی قابل ذکر ہیں۔ جاوید منزل میں جاوید اقبال اور منیرہ سراسیمگی کی حالت میں علامہ اقبال کے کمرے کی طرف دہلیز پر کھڑے ان واقعات کو دیکھ رہے تھے۔ خود جاوید اقبال زندہ رود میں لکھتے ہیں۔ ''میں اور منیرہ کمرے کے دروازے پر سہمے کھڑے تھے اور ہم پر ایک خوف سا طاری تھا۔ منیرہ کمرے کے اندر کے حالت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اقبال اپنے تخت پر آرام کی نیند سو چکے تھے ان پر ایک سفید چادر اوڑھا دی گئی تھی جو ہوا کے نرم جھونکوں سے کبھی اٹھتی تو اقبال کا چہرہ نمودار ہوتا۔ آپ کی آنکھیں بند اور لبوں پر تبسم تھا۔ ابھی کچھ بالوں میں خضاب کا کالا رنگ باقی تھا جسے جاوید کی خواہش پر علامہ نے کیا تھا۔''

ریڈیو مسلسل علامہ کے انتقال کی خبر نشر کر رہا تھا۔ تقریباً تمام اخباروں نے خصوصی ضمیمہ شائع کئے تھے۔ اسکولس، کالجس سرکاری اور پرائیویٹ ادارے، عدالتیں، اور اسلامی ادارے بند کر دیئے گئے تھے بازار بھی بڑی حد تک تعطیل ہوا تھا۔ بقول عبدالمجید سالک جاوید منزل اس بیوہ کی طرح نظر آ رہی تھی جس کا سہاگ اجڑ گیا ہو۔ ہزاروں افراد علامہ کے آخری دیدار کے لیے جاوید منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ جاوید منزل میں علامہ کے دوست کفن اور دفن کے مسائل میں مصروف تھے وہ جانتے تھے کہ علامہ کا مزار صدیوں ''سجدہ گاہ صاحب نظراں'' ہوگا انھیں کسی ممتاز مقام پر دفن کرنا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے چودھری محمد حسین نے علامہ کو مسجد شاہی کے کسی حجرے میں دفن کرنے کی تجویز پیش کی اور اسی غرض سے مظفر الدین قریشی اور کئی دوسرے حضرات کے ساتھ شاہی مسجد پہنچے اور وہاں جانے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسجد کا حجرہ مناسب نہیں بلکہ مسجد کی سیڑھیوں کی بائیں جانب جو قطعہ زمین خالی ہے وہ علامہ کے مزار کے لیے مناسب ہے اس کے لیے مرکزی حکومت کی منظوری ضروری تھی جسے بڑی مشکلات و تدبیر علمی سے حاصل کر کے قبر کھدوانے کا انتظام شروع کیا گیا۔ ادھر جاوید منزل میں عوام قطار در قطار علامہ کا تبسم آمیز چہرہ دیکھ کر زار و قطار

گریہ کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ عقیدت مندوں کا کوئی پانچ بجے عصر تک جاری رہا اور اس وقت علامہ کا جنازہ جاوید منزل سے برآمد ہوا جنازے کی چارپائی کے ساتھ دونوں طرف لمبے لمبے بانس باندھے گئے تا کہ ہر شخص آسانی سے کندھا دے سکے۔ جنازہ کی چارپائی کے اوپر کڑھائی کی ہوئی کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات والی سیاہ رنگ کی چادر تھی۔ خواجہ عبدالمجید لکھتے ہیں۔" جنازے میں شامل مسلمان اونچی آواز میں کلمۂ شہادت اور کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے تھے۔ جلوس میں اسکولوں کے باوردی سکاوٹ، سوار اور پیادہ پولیس ملٹری افراد، سرخ پوش اور نیلی وردی پوش والینٹرس، الہلال اور خاکساران کے کارکن اپنی خصوصی وردیوں میں جنازے کے ساتھ ساتھ تھے اس کے علاوہ خاکساروں کا ایک جیش سیاہ ماتمی علم اٹھائے ساتھ ساتھ چل رہا تھا جنازہ لوگوں کے کندھوں پر سفر کرتا ہوا جرنیلی روڈ سے گزرتا ہوا جب لاہور اسٹیشن کے قریب پہنچا تو وہاں ایک بڑی تعداد جلوس میں شامل ہوگئی۔ ہر طرف نوجوان، جوان، میانہ سال اور بوڑھے افراد جنازہ کو کندھا دینے کے لیے بڑھ رہے تھے اور جب جنازہ برانڈرتھ روڈ پہنچا تو ہزاروں بچے خواتین اور مرد مکانوں کی کھڑکیوں اور چھتوں پر سوگوار کھڑے ہو کر نظارہ کر رہے تھے۔ علامہ اقبال کے جلوس جنازہ کی انفرادیت یہ بھی تھی کہ اس میں ہر مذہب وملت ہر قوم وقبیلہ کا شخص موجود تھا۔ جلوس میں وزرا، حکومتی عہدیدار، ججس، پروفیسر، شعرا، صحافی، ادیب، علماء، تاجر، بازرگان، طلبا اور دیہات کے باشندے بھی موجود تھے۔ ہر شخص کا چہرہ سوگوار اور بہت سوں کی آنکھیں نم تھیں۔ جاوید اقبال آخر صفوں میں تھے جن کے اطراف علامہ کے دوست اور احباب موجود تھے اور سب جاوید پر نظر شفقت ڈال رہے تھے۔ جنازہ قلعہ گوجر سنگھ اور خیابان لٹمینگ سے ہوتا ہوا اسلامیہ کالج سے گزر کر جب قلعہ لاہور کے قریب پہنچا تو وہاں ہزاروں لوگ کندھے دینے کے لیے منتظر تھے۔ حضوری باغ میں کئی نوجوان، جوان درختوں پر چڑھ کر اس مرد قلندر کے جنازے کی رسومات دیکھ رہے تھے۔ جب جنازہ شاہی مسجد کے سیڑھیوں کے قریب پہنچا تو جنازے کے آگے آگے شہر کے مشاہیر اور معززین بڑی خاموشی سے سر جھکائے چلے آرہے تھے۔ ان کے بعد شہر کے مشہور ہندو، سکھ، عیسائی معززین موجود تھے اور ان کے پیچھے جنازہ اور جنازے کے پیچھے عوام الناس کا ایک سیل رواں تھا اور اس وقت جنازے میں تقریباً 50-60 ہزار افراد موجود تھے۔ جنازہ شام کے سات بجے مسجد شاہی کے صحن پہنچا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ علامہ کے بڑے بھائی کا انتظار رہا پھر مولانا غلام مرشد صاحب نے ساڑے آٹھ بجے نماز جنازہ پڑھوائی۔ علامہ کی بھتیجی کہتی ہیں" تار چونکہ دیر سے ملا تھا اس لیے لاہور پہونچے تک جنازہ گھر سے اٹھ چکا تھا۔ سب لوگ بادشاہی مسجد پہنچ چکے تھے اُس وقت نماز جنازہ ادا کی جارہی تھی۔ مرد تو جنازے میں شامل ہو گئے اور ہم سب عورتیں قبر کے

پاس بیٹھ گئیں۔نماز جنازہ کے بعد جب میت قبر کے پاس لائی گئی تو اس قدر ہجوم تھا کہ ہم کہیں سے کہیں جا پہنچے ۔بڑی تگ و دو کے بعد پھر قبر کے قریب پہنچے مگر میت تک رسائی ناممکن نظر آتی تھی۔ آخر علامہ کے حقیقی بھانجے خورشید بھائی نے گرج دار آواز میں کہا ۔''اگر آپ لوگ اس طرح ہمیں منہ تک نہیں دیکھنے دیں گے تو ہم ابھی میت کو سیالکوٹ لے جائیں گے ہمارے ساتھ عورتیں بھی ہیں جو سیالکوٹ سے آخری دیدار کے لیے آئی ہیں لیکن آپ لوگ ہماری سنتے ہی نہیں۔'' ان کا اتنا کہنا تھا کہ مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا سب نے علامہ صاحب کا آخری دیدار کیا۔ میں نے انہیں پرسکون انداز میں لیٹے ہوئے دیکھا جیسے کتاب پڑھتے پڑھتے سو گئے ہوں۔چہرے پر ہلکی سی زردی تھی ۔لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ۔''

تقریباً رات کے سوا دس بجے علامہ کے جسد خاکی کو خاک کے سپرد کر دیا گیا۔ خواجہ عبدالمجید لکھتے ہیں۔'' اقبال کے جلوس جنازہ کی تین باتیں میرے ذہن پر ہمیشہ نقش رہیں گی ۔ایک اس روز شہر کی فضا میں ایسی خاموشی تھی جسے بھلایا نہیں جا سکتا، دوسرے شہر کی سڑکوں پر کوئی سواری نظر نہیں آئی تھی کیونکہ عوام سب جنازے میں شریک تھے، تیسرے یہ جلوس آغاز سے انجام تک انتہائی وقار اور امن کے ساتھ منظم طور پر اختتام کو پہنچا''۔

علامہ کے دیرینہ دوست خواجہ حسن نظامی نے انتقال کے دوسرے ہفتہ یعنی ۲۹ اپریل ۱۹۳۸ء کے منادی میں لکھا۔''میرے دوست اور فلسفیانہ شاعری کے آفتاب جناب ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال نے جمعرات کے دن ۱۹ صفر ۱۳۵۷ ہجری صبح صادق کے وقت اس دنیا سے کوچ فرمایا۔وہ چونکہ محب اہلبیت تھے اسلیے قدرت نے ان کو چہلم سید الشہدا سے ایک دن پہلے کی تاریخ عطا فرمائی''۔

ہم اس گفتگو کو علامہ اقبال کے اس مصرعہ پر ختم کرتے ہیں جس سے ان کی سنہ تاریخ وفات ۱۳۵۷ ہجری نکلتی ہے۔

ع۔ صدق و اخلاص و صفا باقی نہ ماند

1357

علامہ اقبال کا مقبرہ

ع۔ آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

علامہ اقبال نے ۲۱؍اپریل ۱۹۳۸ء روز جمعرات مطابق ۱۹؍صفر ۱۳۵۷ ہجری صبح کے سوا پانچ بجے داعیٔ اجل کو لبیک کہا کچھ ہی دیر میں جاوید منزل میں دوست و مصاحب جمع ہو گئے جن کے لیے سب سے اہم مسئلہ علامہ کے دفن کے مقام کا تعین تھا چنانچہ ظاہری واقعات یہ بتاتے ہیں کہ چودھری محمد حسین اور راجہ حسن اختر جو تقریباً بارہ سال تک علامہ سے فیضیاب رہے ڈاکٹر مظفر الدین قریشی کے ہمراہ سب سے پہلی بار اس خیال کا اظہار کیا کہ اقبال کو شاہی مسجد لاہور کے کسی حجرے میں دفن کیا جائے مگر جب یہ افراد دوسرے دوستوں کے ساتھ شاہی مسجد گئے تو ان کے خیالات بدل گئے اور انہوں نے شاہی مسجد کی سیڑھیوں کی بائیں جانب خالی قطعہ زمین کا انتخاب کیا۔ ہم اس مقام پر صرف اس نکتہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ جیسا دوراندیش مردِ مومن جو ایک طولانی بیماری کے بعد اس دارفانی سے کوچ کرتا ہے جو ایک نہیں بلکہ تین وصیتیں چھوڑتا ہے جس نے اپنے بڑے بھائی کو اس بات کا یقین دلایا کہ وہ موت سے نہیں ڈرتا بلکہ موت کا استقبال تبسم کے ساتھ کرے گا وہ اپنے کفن اور دفن کے بارے میں اپنے دوست واحباب سے کچھ نہ کہے۔ شاید شاہی مسجد کا انتخاب خود دبے الفاظ میں علامہ اقبال کا انتخاب ہو جس پر چودھری محمد حسین اور راجہ حسن اختر نے پافشاری کی۔ اس بات کا امکان ہے کہ علامہ اپنی حیات میں اس مسئلہ کو اس لیے پیچیدہ مسئلہ بنانا نہیں چاہتے تھے کہ مسجد آثارِ قدیمہ کے تحت تھی اور زندگی میں اجازت کے لیے بعض افراد کی رضامندی ضروری تھی جنہیں علامہ پسند نہیں کرتے تھے اور شاید یہی سوچ کر اقبال نے اس مسئلہ کو اپنے خاص دوستوں پر چھوڑ دیا تاکہ پس از مرگ یہ مسئلہ آسان ہو جائے۔ بہر حال واللہ العالم کہہ کر ہم مضمون کو آگے بڑھاتے ہیں۔ علامہ اقبال کی اس خواہش کا اظہار انہوں نے اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے کہ ''اے خدا میری قبر پر تیری دیوار کا سایا ہو اور میرے نصیب کے ستارے کو بیدار نگاہ بخش دے۔'' ان کی دعا مستجاب ہوئی۔

کوکبم را دیدۂ بیدار بخش مرقدی را سایۂ دیوار بخش

شاہی مسجد کے احاطے میں دفن کرنے کے لیے سرکاری اجازت ضروری تھی۔ صوبائی حکومت کے سربراہ سکندر خان حیات پنجاب سے باہر کلکتہ دورے پر گئے ہوئے تھے۔ میاں امیر الدین نے ان سے ٹیلیگراف کے ذریعہ مذکورہ مقام پر تدفین کی اجازت طلب کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور تجویز پیش کی کہ اسلامیہ کالج کا میدان اس مقصد کے لیے موضوع ہوگا۔ بہت سے مسلمان، ہندو وزراء اور سکھ انجمن کے سربراہ بھی شاہی مسجد میں اقبال کے مدفن

کے مخالف تھے اور بعض افراد ایک دوسرے مقام جو گنبد آبی مسجد کے روبرو تھا۔ علامہ کے مقبرے کے لیے موزوں سمجھ رہے تھے۔ لیکن علامہ کے دوست اور احباب اپنے فیصلہ پر جمے رہے اور انہوں نے براہ راست صوبہ کے گورنر سر ہنری کریگ سے رابطہ کر کے دہلی سے اجازت منگوا لی اور مسجد شاہی کے بائیں جانب والی قطعہ زمین پر علامہ کی لحد کی تیاری شروع ہو گئی۔ علامہ کی تدفین کے چند مہینوں بعد مقبرہ سازی کے لیے ایک مزار کمیٹی تشکیل دی گئی جس کی سرپرستی چودھری محمد حسین نے کی لیکن موجودہ مقبرہ کی تعمیر کا آغاز ۱۹۴۶ء تک نہ ہو سکا اس وقت تک اقبال کا مقبرہ معمولی تھا۔ پہلے چند سال مزار کمیٹی کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ جب میاں امین الدین لوکل سلف گورنمنٹ کے محکمہ کے سکریٹری ہوئے تو انہوں نے تعمیر مزار کی رکاوٹوں کو دور کر دیا اور صرف یہ شرط رکھی گئی کہ مقبرہ کسی صورت میں بھی صحن کے فصیل سے اونچا نہ ہو اور عمارت اپنے گرد و پیش کی تعمیرات کے عین مطابق ہو۔ مزار کمیٹی نے پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ مزار کی تعمیر کے لیے عوام سے چندہ نہیں لیں گے اور نہ وہ گورنمنٹ سے کسی مدد کے خواستگار ہوں گے چنانچہ اسی لیے مزار کمیٹی نے ایک بڑے تاجر کی اس پیش کش کو رد کر دیا جس میں اس نے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ تمام تر مصارف برداشت کرنے پر آمادہ ہے لیکن اس کے نام کی تختی بھی مزار کے ساتھ نصب کی جائے۔ مزار کمیٹی اس عمل کو علامہ اقبال جیسے قلندر کی آرام گاہ کے لیے ننگ سمجھتے تھے۔

ع۔ غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول

چونکہ مقبرہ کی تکمیل پاکستان کے قیام کے بعد ۱۹۵۰ء میں ہوئی اس لیے مسٹر غلام محمد وزیر مالیات نے حکومت کی جانب سے تعمیر مزار میں مدد دینی چاہی لیکن مزار کمیٹی نے اسے بھی قبول نہیں کیا۔ بہر حال مقبرہ کی تعمیر کے اخراجات اقبال کے عقیدت مندوں، دوستوں، اور خیر خواہوں نے برداشت کئے، حکومت اور عوام سے مدد نہیں لی گئی۔ مزار کمیٹی نے مقبرہ کی تعمیر کے سلسلے میں ان تمام ماہرین فن تعمیر کے مشوروں سے استفادہ کیا، جن تک آسانی سے رسائی ہو سکتی تھی۔ حکومت افغانستان نے اٹلی کے ماہرین فن تعمیر سے مقبرہ کا نقشہ بنوا کر مزار کمیٹی کے سپرد کیا جسے قبول نہیں کیا گیا کیوں کہ اس میں کیتھولک صنعتی فن تعمیر شامل تھا اور اقبال کو دونوں ہاتھ سینے پر بندھے بتایا گیا تھا۔ بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ماہر فن تعمیر نواب زین یار بہادر جنگ سے نقشہ بنوایا گیا۔ پہلا نقشہ کمیٹی نے اس لیے مسترد کر دیا کہ اس میں کبوتر کو قفس طلائی میں محصور بتایا گیا تھا۔ چودھری محمد حسین نے نواب صاحب کو لاہور مدعو کیا اور انہیں شاہی مسجد

لے گئے۔ چودھری صاحب کے ساتھ راجہ حسن اختر، میاں امین الدین اور سکندر خان حیات بھی تھے۔ شاہی مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر چودھری صاحب نے کہا ''نواب صاحب! مزار کے مغرب میں شاہی مسجد ہے جس سے اسلام کی روشنی طاقت کی آئینہ داری ہوتی ہے اس کے مقابل شرق میں شاہی قلعہ ہے جو دنیاوی عظمت کا مظہر ہے، تیسری سمت رنجیت سنگھ کی مڑی ہے جو اسلام سے بغاوت کی یادگار ہے، چوتھی جانب حکیم الامت کا مزار ہے۔ جنہیں مجدد ملت کہا جا سکتا ہے۔ مزار اقبال کا نقشہ کچھ ایسا ہونا چاہیے کہ سنگ وخشت کی خاموش زبانیں حقیقت کی ترجمانی کریں اور ان کی ترتیب وتعمیر سے اس حقیقت کا انکشاف ہو کہ اقبال کا کلام اور اس کا پیام فقر وسلطنت، درویشی اور شاہی کا ایک حسین امتزاج تھا۔'' نواب صاحب نے دوسرا نقشہ بنایا جو کمیٹی نے قبول کیا اور پھر چودھری فتح ملک کے زیر نگرانی محمد سلیمان اور میاں بشیر احمد انجینئر نے تعمیر شروع کی۔

اقبال کا مقبرہ ایک خوبصورت مستطیل شکل کی چھوٹی سی عمارت ہے۔ یہ عمارت باہر سے سنگِ سرخ اور اندر سے سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ شاہی مسجد کی مناسبت سے مقبرہ کا بیرونی حصہ سنگِ سرخ سے بنایا گیا ہے۔ چنانچہ سنگِ سرخ کی چار سیڑھیاں چڑھ کر عمارت میں داخل ہوتے ہیں جس میں دو داخلی دروازے شرق اور جنوب کی جانب ہیں۔ شرقی دروازہ صرف خاص ایام میں کھولا جاتا ہے عموماً جنوبی دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ دونوں دروازے سنگ مرمر کی حسین جالیوں سے بنے ہوئے ہیں۔ شمالی دیوار میں سنگ مرمر کی جالی سے بنی ایک کھڑکی ہے اور مغرب میں دیوار میں تین روشن دان ہیں۔ سنگ سرخ اور سنگراتی سنگ مرمر کی سلیں راجپوتانہ سے درآمد کی گئیں۔

مقبرہ کی چھت خاص اشاریت کی حامل ہے۔ چھت کے وسط میں اسم ''محمدؐ'' کندہ ہے۔ چاروں کونوں میں اقبال کا نام ہے اور اقبال کے نام سے نام ''محمدؐ'' ایک لہر کے ذریعہ جڑا ہوا ہے۔ اس تمثیلی اشاریت سے یہ اظہار مقصود ہے کہ اقبال نے جس مرکز نور سے اقتباسِ نور حاصل کیا ہے وہ ذات ختمی مرتبتؐ ہے۔ کہتے ہیں کہ چودھری صاحب نے مقبرہ کے لیے قرآنی آیات اور اقبال کے اشعار کا انتخاب کیا۔ مقبرے میں تین آیات قرآنی خط کوفی میں نہایت خوب صورت تحریر میں سنگ موسیٰ سے کندہ کی ہوئی ہیں۔

مزار کی چاردیواری پر سنگ موسیٰ سے کندہ خط نستعلیق میں وہ اشعار ہیں جو علامہ کے کلام کے خلاصہ ہو سکتے ہیں وہ تمام اشعار فارسی میں ہیں۔

مزار کا تعویذ حکومت افغانستان کا عطیہ ہے۔ اس وقت اس کی قیمت تین لاکھ افغانی تھی۔ تعویذ ایک قیمتی پتھر سنگ لاجوردی Laphlazali سے بنا ہوا ہے۔ یہ پتھر اتنا سفید اور حسین ہے کہ روشنی کو ایک طرف سے دوسرے طرف منعکس کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کابل میں شہنشاہ بابر کے زمانے میں بھی اس پتھر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تعویذ مزار ایک کشادہ سنگ مرمر کے چبوترے پر واقع ہے۔ مزار کے سرہانے ایک سنگ مرمر کی تختی نصب ہے۔ اس تختی پر بہ جانب تعویذ فارسی اور عربی کے اشعار لکھے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تعویذ کے دونوں جانب بلند شمع دان بھی تھے لیکن افغانستان سے حمل ونقل کے دوران ٹوٹ گئے اور اب تعویذ میں شامل نہیں۔ مقبرے کے آیات کو حافظ محمد یوسف سدیدی اور اشعار کی خطاطی کو ماہر فن استاد عبدالمجید پروین نے رقم کی۔ یہی نہیں بلکہ مقبرے کی بیرونی دیوار جو شاہی مسجد کی سیڑھیوں کی جانب ہے ایک تختی پر دو اشعار فارسی میں کندہ ہیں جس میں ہماری بے روح مردہ قیادت پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ یقیناً علامہ اقبال کا مقبرہ لاہور کی سرزمیں پر صدیوں ''سجدہ گاہ صاحب نظراں'' رہے گا کیوں کہ بقول اقبال

ع۔ زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری

فہرست خطوط

شمارہ	تاریخ سنہ	مقام	نام	ملاحظات
۱	۱۵/اگست ۱۹۰۲ء	لاہور	منشی دیانرائن نگم	ذکر علالت
۲	۲۶/اکتوبر ۱۹۱۳ء	لاہور	مہاراجہ کشن پرشاد	دردگردہ
۳	۳/دسمبر ۱۹۱۳ء	لاہور	مہاراجہ کشن پرشاد	دردگردہ
۴	۲۱/فروری ۱۹۱۵ء	لاہور	مہاراجہ کشن پرشاد	دردگردہ
۵	۱۱/مارچ ۱۹۱۵ء	لاہور	مہاراجہ کشن پرشاد	دردگردہ
۶	۸/جولائی ۱۹۱۶ء	لاہور	خان محمد نیاز الدین خاں	دردگردہ
۷	۸/مارچ ۱۹۱۷ء	لاہور	پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی	دردگردہ
۸	۲۱/مارچ ۱۹۱۷ء	لاہور	خان محمد نیاز الدین خاں	دردگردہ
۹	۱۲/ستمبر ۱۹۱۸ء	لاہور	اکبر الہ آبادی	داڑھ کا درد
۱۰	۱۲/اکتوبر ۱۹۱۸ء	لاہور	خان محمد نیاز الدین خاں	بخار (ملیریا)
۱۱	۲۸/اکتوبر ۱۹۱۸ء	لاہور	اکبر الہ آبادی	وبائے انفلوئنزا
۱۲	۲۹/اکتوبر ۱۹۱۸ء	لاہور	خان محمد نیاز الدین خاں	وبائے انفلوئنزا
۱۳	۲/دسمبر ۱۹۱۸ء	لاہور	سید سلیمان ندوی	وبائے انفلوئنزا
۱۴	فروری ۱۹۱۹ء	لاہور	مولانا گرامی	علالت
۱۵	۲۷/ستمبر ۱۹۱۹ء	لاہور	سید سلیمان ندوی	علالت
۱۶	۱۸/نومبر ۱۹۱۹ء	لاہور	وحید احمد مسعود بدایونی	بخار + علالت
۱۷	۱۷/جولائی ۱۹۱۲ء	لاہور	شیخ عطا محمد	زکام + بخار
۱۸	۱۱/اکتوبر ۱۹۲۱ء	لاہور	مہاراجہ کشن پرشاد	نقرس
۱۹	۲۳/مارچ ۱۹۲۲ء	لاہور	مولانا گرامی	نقرس
۲۰	۲/اپریل ۱۹۲۲ء	لاہور	مولانا گرامی	نقرس
۲۱	۱۲/اپریل ۱۹۲۲ء	لاہور	ضیاء الدین برنی	نقرس
۲۲	۲۰/اپریل ۱۹۲۲ء	لاہور	سید سلیمان ندوی	نقرس
۲۳	۱۲/مئی ۱۹۲۲ء	لاہور	شیخ اعجاز احمد	اختلاج قلب
۲۴	۱۵/جولائی ۱۹۲۲ء	لاہور	خان محمد نیاز الدین خاں	نقرس
۲۵	۳/اگست ۱۹۲۲ء	لاہور	سید سلیمان ندوی	نقرس

۲۶	۱۷/اگست ۱۹۲۴ء	لاہور	خان محمد نیاز الدین خاں	نقرس
۲۷	۲۲/ستمبر ۱۹۲۴ء	لاہور	اکبر شاہ نجیب آبادی	نقرس
۲۸	۱۱/فروری ۱۹۲۴ء	لاہور	خان محمد نیاز الدین خاں	نقرس
۲۹	۱۳/جولائی ۱۹۲۴ء	لاہور	خان محمد نیاز الدین خاں	مسوڑے کا درد
۳۰	۱۳/جولائی ۱۹۲۴ء	لاہور	شیخ محمد عطا	مسوڑے کا درد
۳۱	۷/مئی ۱۹۲۵ء	لاہور	سید نصیر الدین ہاشمی	نقرس
۳۲	۱۵/جون ۱۹۲۸ء	لاہور	خان محمد نیاز الدین خاں	درد گردہ
۳۳	۱۱/اکتوبر ۱۹۲۹ء	لاہور	خواجہ بشیر احمد	نقرس + درد دنداں
۳۴	۶/فروری ۱۹۳۰ء	لاہور	راغب احسن	گلے کا درد
۳۵	جولائی ۱۹۳۰ء	لاہور	راغب احسن	گلے کا درد
۳۶	۲۵/مئی ۱۹۳۰ء	لاہور	صالح محمد ادیب تونسوی	درد دندان
۳۷	۲۸/مئی ۱۹۳۰ء	لاہور	صالح محمد ادیب تونسوی	درد دندان
۳۸	۲۶/اگست ۱۹۳۰ء	لاہور	سردار بیگم	بیماری + درد گردہ
۳۹	۳۰/جنوری ۱۹۳۰ء	لاہور	غلام رسول مہر	درد دنداں
۴۰	۱۹/مارچ ۱۹۳۳ء	لاہور	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	بیماری
۴۱	۳۱/اگست ۱۹۳۳ء	لاہور	راغب احسن	درد دنداں + مسوڑھے کی تکلیف
۴۲	۲۷/فروری ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری + علاج
۴۳	۱۱/مارچ ۱۹۳۴ء	لاہور	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	بیماری + علاج
۴۴	۶/اپریل ۱۹۳۴ء	لاہور	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	گلے کا درد
۴۵	۱۰/اپریل ۱۹۳۴ء	لاہور	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	گلے کا درد
۴۶	۱۲/اپریل ۱۹۳۴ء	لاہور	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	گلے کا درد
۴۷	۸/مئی ۱۹۳۴ء	لاہور	راغب احسن	گلے کا درد
۴۸	۲۲/مئی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	درد گلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ

۴۹	۲۹/مئی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۰	۲/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۱	۳/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۲	۵/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۳	۵/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۴	۸/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۵	۲/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۶	۱۳/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۷	۱۶/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۸	۱۷/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۵۹	۲۰/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۶۰	۲۰/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۶۱	۲۲/جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ

۶۲	۲۳/ جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۶۳	۲۴/ جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۶۴	۲۷/ جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۶۵	۲۷/ جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۶۶	۲۹/ جون ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۶۷	۲/ جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۶۸	۳/ جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۶۹	۵/ جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۷۰	۶/ جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۷۱	۱۰/ جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۷۲	۱۱/ جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۷۳	۱۳/ جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا +علاج وغیرہ
۷۴	۱۶/ جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ

۷۵	۱۶/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	درد گلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۷۶	۲۲/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	درد گلو+ آواز کا بیٹھ جانا + علاج وغیرہ
۷۷	۲۳/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	پرہیز+ بیماری + خوراک وغیرہ
۷۸	جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	محمود خان محمود	علالت
۷۹	۲۶/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	ایڈورڈ تھامپسن	علالت
۸۰	۲۷/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	فقیر سید وحید الدین	گلے کی خرابی+ آواز
۸۱	۲۷/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ علاج+ مشورہ حکیم صاحب
۸۲	۲۸/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ علاج+ مشورہ حکیم صاحب
۸۳	۲۸/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	مس فارک ہرسن	بیماری
۸۴	۳۰/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید یاسین ہاشمی	علالت
۸۵	۳۰/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	گلے کی خرابی+ تشخیص + علاج+ مشورہ حکیم
۸۶	۳۱/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	گلے کی خرابی+ تشخیص + علاج+ مشورہ حکیم
۸۷	۳۱/جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	عظمت الٰہی زبیری	گلے کی خرابی+ آواز کا بیٹھ جانا
۸۸	جولائی ۱۹۳۴ء	لاہور	محمد طاہر فاروقی	بیماری
۸۹	۲/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ علاج+ مشورہ+ پرہیز وغیرہ
۹۰	۳/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	رجسٹرار علی گڑھ یونیورسٹی	علالت

۹۱	۴/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ علاج+ مشورہ حکیم + پرہیز وغیرہ
۹۲	۵/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ علاج+ مشورہ حکیم + پرہیز وغیرہ
۹۳	۶/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	عظمت الٰہی زبیری	بیماری+ علاج+ مشورہ حکیم + پرہیز وغیرہ
۹۴	۷/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	عظمت الٰہی زبیری	بیماری+ علاج
۹۵	۱۵/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ بیماری+ علاج+ تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۹۶	۱۱/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ بیماری+ علاج+ تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۹۷	۱۶/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ بیماری+ علاج+ تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۹۸	اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ بیماری+ علاج+ تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۹۹	۱۹/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ بیماری+ علاج+ تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۱۰۰	۲۴/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ بیماری+ علاج+ تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۱۰۱	۲۸/اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو+ بیماری+ علاج+ تحقیقات + پرہیز وغیرہ

۱۰۲	۲۸/ اگست ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + بیماری + علاج + تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۱۰۳	۳/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + بیماری + علاج + تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۱۰۴	۴/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + بیماری + علاج + تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۱۰۵	۶/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	دردگلو + بیماری + علاج + تحقیقات + پرہیز وغیرہ
۱۰۶	۹/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۰۷	۱۲/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۰۸	۱۴/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید عبدالواحد معینی	علالت + بیماری + علاج
۱۰۹	۱۶/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	راغب احسن	بیماری + آواز + علاج
۱۱۰	۱۸/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری + علاج + مشورہ حکیم صاحب
۱۱۱	۲۱/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۱۲	۲۵/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۱۳	۲۹/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۱۴	۳۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۱۵	۵/ اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ

۱۱۶	۶/اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۱۷	۶/اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۱۸	۱۱/اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۱۹	۱۱/اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۲۰	۱۹/اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۲۱	۲۰/اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۲۲	۲۵/اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۲۳	۲۸/اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۲۴	۳۱/اکتوبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۲۵	۵/نومبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + پرہیز + علاج + مشورہ حکیم وغیرہ
۱۲۶	۹/نومبر ۱۹۳۴ء	لاہور	پروفیسر ضیاء احمد بدایونی	بیماری + علاج + آواز
۱۲۷	۱۰/نومبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + علاج + خوراک + مشورہ حکیم
۱۲۸	۱۲/نومبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + علاج + خوراک + مشورہ حکیم

۱۲۹	۱۳/نومبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+ بیماری+ علاج+ خوراک+ مشورہ حکیم
۱۳۰	۱۹/نومبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+ بیماری+ علاج+ خوراک+ مشورہ حکیم
۱۳۱	۱۹/نومبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+ بیماری+ علاج+ خوراک+ مشورہ حکیم
۱۳۲	۲۰/نومبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+ بیماری+ علاج+ خوراک+ مشورہ حکیم
۱۳۳	۲۹/نومبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+ بیماری+ علاج+ خوراک+ مشورہ حکیم
۱۳۴	۲۹/نومبر ۱۹۳۴	لاہور	خواجہ غلام السیدین	بیماری+ علاج
۱۳۵	یکم دسمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	گلو درد+ علاج
۱۳۶	۲/دسمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	خواجہ غلام السیدین	بیماری+ آواز+ علاج
۱۳۷	۴/دسمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+ علاج+ بیماری+ پرہیز+ خوراک+ مشورہ حکیم
۱۳۸	۵/دسمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+ علاج+ بیماری+ پرہیز+ خوراک+ مشورہ حکیم
۱۳۹	۶/دسمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+ علاج+ بیماری+ پرہیز+ خوراک+ مشورہ حکیم
۱۴۰	۶/دسمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	محمد عبدالجمیل بنگوری	بیماری+ آواز+ علاج
۱۴۱	۷/دسمبر ۱۳۹۴ء	لاہور	رجسٹرار علی گڑھ یونیورسٹی	علالت+ علاج

۱۴۲	۱۱/دسمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	راغب احسن	بیماری + آواز + علاج
۱۴۳	۱۱/دسمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	راغب احسن	بیماری + آواز + علاج
۱۴۴	۱۱/دسمبر ۱۹۳۴ء	لاہور	ڈاکٹر عباس لمعہ	بیماری + آواز + علاج
۱۴۵	یکم جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	ڈاکٹر مختار احمد انصاری	بیماری + علاج + آواز
۱۴۶	۲/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری + آواز + علاج + مشورہ حکیم صاحب
۱۴۷	۳/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	قاضی تلمذ حسین	آواز + بیماری + علاج
۱۴۸	۵/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + علاج + خوراک پرہیز + مشورہ حکیم
۱۴۹	۶/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + علاج + خوراک پرہیز + مشورہ حکیم
۱۵۰	۹/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + علاج + خوراک پرہیز + مشورہ حکیم
۱۵۱	۹/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری + علاج + خوراک پرہیز + مشورہ حکیم
۱۵۲	۹/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	ڈاکٹر مختار احمد انصاری	بیماری + علاج
۱۵۳	۱۲/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری + آواز + پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۵۴	۱۷/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری + آواز
۱۵۵	۱۷/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری + آواز + علاج + پرہیز
۱۵۶	۱۹/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	پروفیسر محمد میاں شریف	بیماری + آواز + علاج + پرہیز
۱۵۷	۲۱/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری + آواز + علاج + پرہیز + مشورہ حکیم صاحب

۱۵۸	۲۳/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز+ مشورہ حکیم صاحب
۱۵۹	۲۶/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز+ مشورہ حکیم صاحب
۱۶۰	۲۷/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز+ مشورہ حکیم صاحب
۱۶۱	۲۷/جنوری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز +مشورہ حکیم صاحب
۱۶۲	۵/فروری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز +مشورہ حکیم صاحب
۱۶۳	۶/فروری ۱۹۳۵ء	لاہور	راغب احسن	بیماری+ آواز+ علاج
۱۶۴	۹/فروری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری + آواز + علاج + پرہیز مشورہ حکیم صاحب
۱۶۵	۱۱/فروری ۱۹۳۵	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز مشورہ حکیم صاحب
۱۶۶	۱۱/فروری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری + آواز علاج + پرہیز مشورہ حکیم صاحب
۱۶۷	۱۲/فروری ۱۹۳۵ء	لاہور	محمد عباس علی خاں لمعہ	بیماری + علاج + آواز
۱۶۸	۱۳/فروری ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز مشورہ حکیم صاحب

۱۶۹	۱۱/مارچ ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز +مشورہ حکیم صاحب
۱۷۰	۱۵/مارچ ۱۹۳۵ء	لاہور	پروفیسر ایس۔ پی۔ ورما	علالت+ علاج
۱۷۱	۱۹/مارچ ۱۹۳۵ء	لاہور	حکیم محمد حسن قرشی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز +مشورہ حکیم صاحب
۱۷۲	۲۰/مارچ ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز+ مشورہ حکیم صاحب
۱۷۳	۲۳/مارچ ۱۹۳۵ء	لاہور	محمد عباس علی خاں لمعہ	آواز+ علاج
۱۷۴	۲۷/مارچ ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز+ مشورہ حکیم صاحب
۱۷۵	مارچ ۱۹۳۵ء	لاہور	حسن لطیفی	علالت+ آواز+ علاج
۱۷۶	۲۳/اپریل ۱۹۳۵ء	لاہور	اکبر شاہ نجیب آبادی	آواز+ علالت+ علاج
۱۷۷	۱۱/مئی ۱۹۳۵ء	لاہور	محمد عباس علی خاں لمعہ	آواز+ علاج
۱۷۸	۲۰/مئی ۱۹۳۵ء	لاہور	محمد حسن لطیفی	علالت+ علاج
۱۷۹	۲۴/مئی ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز+ مشورہ حکیم صاحب
۱۸۰	یکم جون ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز+ علاج+ پرہیز+ مشورہ حکیم صاحب

۱۸۱	۵/جولائی ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	بیماری+ آواز + علاج+ پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۸۲	۱۹/جولائی ۱۹۳۵ء	لاہور	سید سلیمان ندوی	آواز + علاج
۱۸۳	۲۲/جولائی ۱۹۳۵ء	لاہور	محمد دین تاثیر	آواز + علالت + علاج
۱۸۴	۲۳ جولائی ۱۹۳۵ء	لاہور	خواجہ عبدالرحیم	علالت + علاج
۱۸۵	یکم اگست ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری+ دوا+ پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۸۶	۶/اگست ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری+ دوا+ پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۸۷	۱۵/اگست ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری+ دوا+ پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۸۸	۵/ستمبر ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری+ دوا+ پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۸۹	۱۵/ستمبر ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری+ دوا+ پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۹۰	۱۰/ستمبر ۱۹۳۵ء	لاہور	ڈاکٹر ظفر الحسن	بیماری+ علاج
۱۹۱	۱۲/ستمبر ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری+ دوا+ پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۹۲	۱۲/ستمبر ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری+ دوا+ پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۹۳	۲۷/ستمبر ۱۹۳۵ء	لاہور	خواجہ سجاد حسین	بیماری+ آواز + علاج
۱۹۴	۲/اکتوبر ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز + بیماری+ دوا+ پرہیز + مشورہ حکیم صاحب
۱۹۵	۲/اکتوبر ۱۹۳۵ء	لاہور	سر راس مسعود	آواز + علاج

۱۹۶	۴/اکتوبر ۱۹۳۵ء	لاہور	ڈاکٹر عبدالباسط	آواز+بیماری+تشخیص +علاج
۱۹۷	۹/اکتوبر ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+بیماری+دوا+ پرہیز+مشورہ حکیم صاحب
۱۹۸	۱۴/اکتوبر ۱۹۳۵ء	لاہور	سید محفوظ علی بدایونی	بیماری+علاج
۱۹۹	۱۵/اکتوبر ۱۹۳۵ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+بیماری+علاج
۲۰۰	۱۷/اکتوبر ۱۹۳۵ء	لاہور	حکیم محمد حسن عرشی	بیماری+علاج
۲۰۱	۱۸/اکتوبر ۱۹۳۵ء	لاہور	ڈاکٹر عبدالباسط	بیماری+علاج+ آواز
۲۰۲	یکم نومبر ۱۹۳۵ء	لاہور	ڈاکٹر عبداللطیف	آواز+بیماری+علاج
۲۰۳	۷/دسمبر ۱۹۳۵ء	لاہور	ڈاکٹر عبدالباسط	آواز+بیماری+علاج
۲۰۴	۱۳/دسمبر ۱۹۳۵ء	لاہور	ڈاکٹر عبدالباسط	آواز+بیماری+علاج
۲۰۵	۳۱/دسمبر ۱۹۳۵ء	لاہور	ڈاکٹر عبدالباسط	آواز+بیماری+علاج
۲۰۶	۳/جنوری ۱۹۳۶ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+علاج+بیماری
۲۰۷	۸/فروری ۱۹۳۶ء	لاہور	ڈاکٹر عبدالباسط	آواز+علاج+بیماری
۲۰۸	۳/مارچ ۱۹۳۶ء	لاہور	سید نذیر نیازی	آواز+علاج+بیماری
۲۰۹	۱۳/جون ۱۹۳۶ء	لاہور	پروفیسر الیاس برنی	آواز+بیماری+علاج
۲۱۰	۲۱/جون ۱۹۳۶ء	لاہور	خواجہ غلام السیدین	بیماری+علاج
۲۱۱	۲۳/جون ۱۹۳۶ء	لاہور	پروفیسر الیاس برنی	گلو درد + آواز+علاج
۲۱۲	۲۷/جون ۱۹۳۶ء	لاہور	پروفیسر الیاس برنی	گلو درد + آواز+علاج
۲۱۳	۱۴/جولائی ۱۹۳۶ء	لاہور	محمد عباس علی خاں لمعہ	بیماری + آواز+علاج
۲۱۴	۲۱/جولائی ۱۹۳۶ء	لاہور	پروفیسر الیاس برنی	آواز+بیماری+علاج
۲۱۵	۴/اگست ۱۹۳۶ء	لاہور	محمد عباس علی خاں لمعہ	بیماری +علاج
۲۱۶	۵/اگست ۱۹۳۶ء	لاہور	نصر اللہ خان	آواز +علاج
۲۱۷	۷/اگست ۱۹۳۶ء	لاہور	سید سلیمان ندوی	آواز+علاج
۲۱۸	۲۷/ستمبر ۱۹۳۶ء	لاہور	مولوی عبدالحق	آواز +علاج
۲۱۹	۱۵/جنوری ۱۹۳۷ء	لاہور	سر راس مسعود	بیماری +علاج

۲۲۰	۱۹/فروری۱۹۳۷ء	لاہور	محمد رمضان عطائی	بیماری
۲۲۱	۱۲/مارچ۱۹۳۷ء	لاہور	آل احمد سرور	آواز+بیماری
۲۲۲	۳۰/مئی۱۹۳۷ء	لاہور	شیخ اعجاز احمد	آواز+بیماری+علاج
۲۲۳	۱۳/جون۱۹۳۷ء	لاہور	ماسٹر عبداللہ چغتائی	آواز +علاج
۲۲۴	۲۲/جولائی۱۹۳۷ء	لاہور	شیخ اعجاز احمد	آواز+بیماری+علاج
۲۲۵	۱۱/ستمبر۱۹۳۷ء	لاہور	خواجہ غلام السیدین	آواز+علاج
۲۲۶	ستمبر۱۹۳۷ء	لاہور	فضل کریم	علالت +علاج
۲۲۷	۲۳/ستمبر۱۹۳۷ء	لاہور	راغب احسن	بیماری+علالت+علاج
۲۲۸	۲۴/ستمبر۱۹۳۷ء	لاہور	شیخ اعجاز	بیماری+علاج
۲۲۹	۵/اکتوبر۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین	آواز+بیماری+دوا+مشورہ حکیم صاحب
۲۳۰	۵/اکتوبر۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین	آواز+بیماری+دوا +مشورہ حکیم صاحب
۲۳۱	۱۶/اکتوبر۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین	آواز+بیماری+دوا +مشورہ حکیم صاحب
۲۳۲	۲۵/اکتوبر۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین	آواز+بیماری+دوا +مشورہ حکیم صاحب
۲۳۳	۱۸/نومبر۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین	آواز+بیماری+دوا +مشورہ حکیم صاحب
۲۳۴	۲۷/نومبر۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین	آواز+بیماری+دوا +مشورہ حکیم صاحب
۲۳۵	یکم دسمبر۱۹۳۷ء	لاہور	شیخ اعجاز احمد	آواز+بیماری+ دوا+ علاج
۲۳۶	۳/دسمبر۱۹۳۷ء		شیخ اعجاز احمد	آواز+بیماری+ دوا+ علاج
۲۳۷	۸/دسمبر۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب

۴۳۸	۱۳/دسمبر ۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۳۹	۱۸/دسمبر ۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۰	۳۰/دسمبر ۱۹۳۷ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۱	۲۲/جنوری ۱۹۳۸ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۲	۲۲/جنوری ۱۹۳۸ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۳	۳۱/جنوری ۱۹۳۸ء		ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۴	۳/فروری ۱۹۳۸ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۵	۱۶/فروری ۱۹۳۸ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۶	۱۸/فروری ۱۹۳۸ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۷	۲۹/مارچ ۱۹۳۸ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۸	۳۰/مارچ ۱۹۳۸ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۴۹	مارچ ۱۹۳۸ء	لاہور	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	آواز+ بیماری+ دوا+ مشورہ حکیم صاحب
۴۵۰	۱۶/اپریل ۱۹۳۸ء	لاہور	شعیب قریشی	آواز+ بیماری+ علاج +متفرق مسائل
۴۵۱	۱۹/اپریل ۱۹۳۸ء	لاہور	ممنون حسن خان	آواز+ بیماری+ علاج متفرق مسائل

کتابیات

۱	زندہ رود	ڈاکٹر جاوید اقبال
۲	کلیات مکاتیب اقبال جلد اول	سید مظفر حسین برنی
۳	کلیات مکاتیب اقبال جلد دوم	سید مظفر حسین برنی
۴	کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم	سید مظفر حسین برنی
۵	کلیات مکاتیب اقبال جلد چہارم	سید مظفر حسین برنی
۶	روزگار فقیر	فقیر سید وحید الدین
۷	ذکر اقبال	عبدالمجید سالک
۸	اقبال درون خانہ	خالد نظیر صوفی
۹	اقبال کے حضور	سید نذیر نیازی
۱۰	اقبالیات سید نذیر نیازی	عبداللہ شاہ ہاشمی
۱۱	اقبال اور بھوپال	صہبا لکھنوی
۱۲	اقبالیات کے سو سال	ڈاکٹر سہیل عمر۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ڈاکٹر وحید عشرت
۱۳	Iqbal, An illustrated Biography	خرم علی شفیق
۱۴	اقبال نامہ	شیخ عطا اللہ
۱۵	اقبال کی ابتدائی زندگی	ڈاکٹر سلطان محمود حسین
۱۶	سرود رفتہ	ابوالحسن ندوی
۱۷	دانائے راز	ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
۱۸	روح الذہب	حکیم عبدالغنی انصاری

رَو میں ہے رخشِ عمر

نام : سیّد تقی عابدی

ادبی نام : تقی عابدی

تخلص : تقی

والد کا نام : سیّد سبطِ نبی عابدی منصف (مرحوم)

والدہ کا نام : سنجیدہ بیگم

تاریخ پیدائش : یکم مارچ 1952ء

مقام پیدائش : دہلی (انڈیا)

تعلیم : ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ)
ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ)
ایف آر سی پی (کینیڈا)

پیشہ : طبابت

ذوق : شاعری اور ادبی تحقیق

شوق : مطالعہ اور تصنیف

قیام : ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کینیڈا

شریک حیات : گیتی

اولاد : دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)

تصانیف : (۳۱) شہید (1982) ۔ جوشِ مودّت ۔ گلشن رویا ۔ اقبال کے عرفانی زاویے ۔ انشاء اللہ خاں انشاء ۔ رموز شاعری ۔ اظہار حق ۔ مجتہد نظم مرزا دبیرؔ، طالع مہر ۔ سلکِ سلام دبیرؔ ۔ تجزیہ یادگار انیسؔ ۔ ابواب المصائب، ذکر دُرباران ۔ عروس سخن ۔ مصحفِ فارسی دبیرؔ ۔ مثنویاتِ دبیرؔ ۔ کائنات نجم ۔ روپ کنوار کماری ۔ دُربار رسالت ۔

فکر مطمئنہ ۔ خوشۂ انجم ۔ دُر دریائے نجف ۔ تاثیر ماتم ۔ نجمی ماہیا (اُردو + ہندی) ۔

مصحفِ تغزل ۔ روشِ انقلاب ۔ ھو انجم ۔ غالبؔ دیوان نعت و منقبت ۔ سبدِ سخن

زیرِ تالیف : تجزیہ شکوہ جواب شکوہ ۔ رباعیات دبیرؔ ۔ فانی لافانی ۔ مصحفِ تاریخ گوئی ۔

تعشق لکھنوی ۔ تجزیہ روپ (رباعیات فراقؔ)